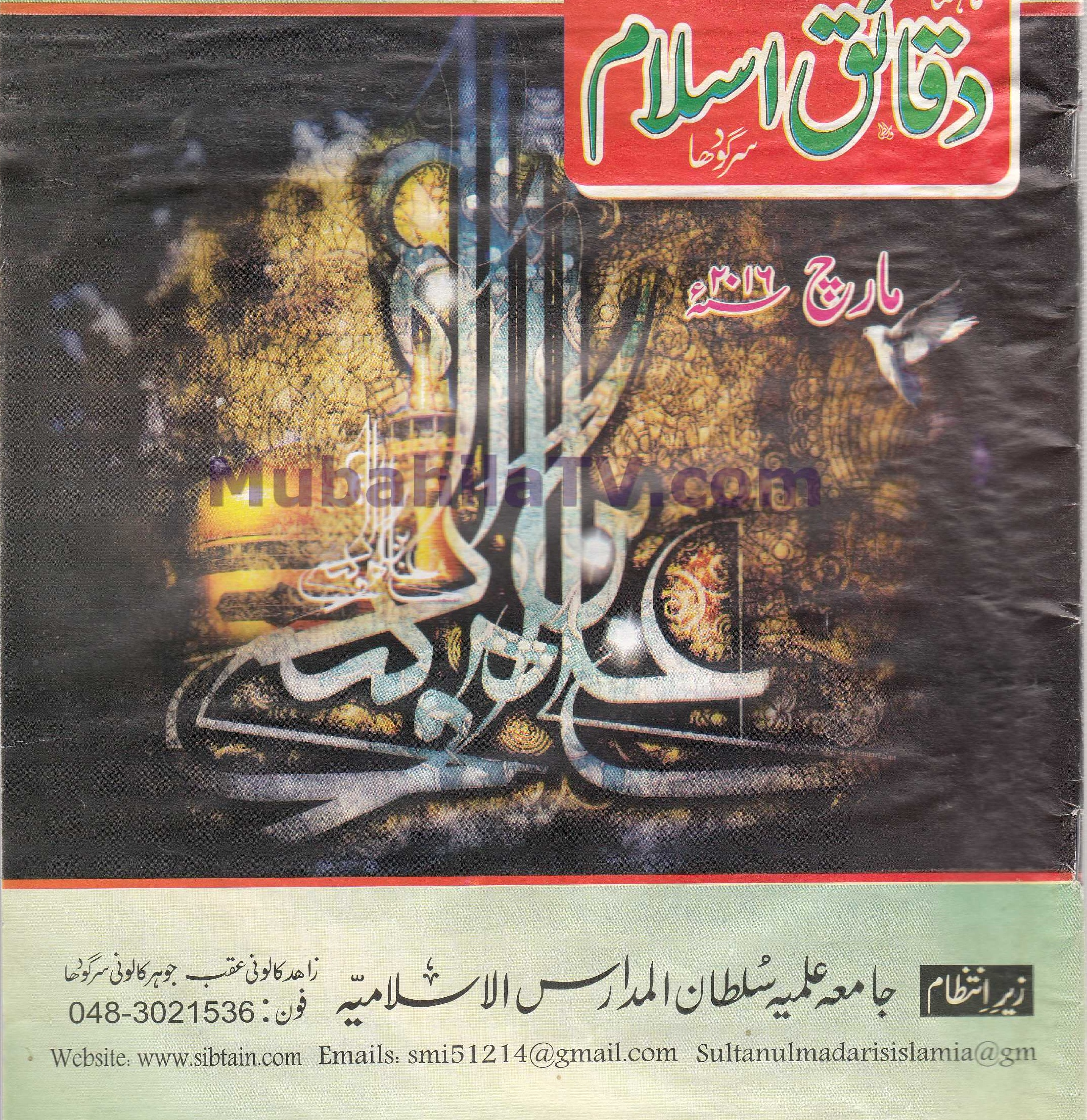
حقیقی تعلیماتِ اسلامیہ امامیہ کا بے باک ترجمان

ماہنامہ

دقائق اسلام

سرگودھا

مارچ ۲۰۱۶ء



زیرِ انتظام جامعہ علمیہ سُلطان المدارس الاسلامیہ

زاھد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا

فون: 048-3021536

Website: www.sibtain.com Emails: smi51214@gmail.com Sultanulmadarisislamia@gm

باب العقائد

انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے عالم الغیب ہونے یا نہ ہونے کے متعلق صحیح شیعی عقیدہ

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

یہ مسئلہ اوائل اسلام میں اسلامی معتقدات و مُسلمات میں سے تھا کہ خدا کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں مگر بعد میں رفتہ رفتہ اسے اختلاف امت کی آماجگاہ بنا دیا گیا۔ بعضوں نے کہا کہ انبیاء علم غیب جانتے ہیں۔

بعضوں نے کہا اوصیاء بھی جانتے ہیں، اور بعضوں نے یہاں تک کہا کہ عام اولیاء و اتقیاء بھی جانتے جو لوگ اس سلسلہ میں موشگافیاں کرتے ہیں۔ اگر ان کو صرف غیب کی حقیقی اور جامع تعریف ہی معلوم ہوجاتی تو ان پر واضح ہوجاتا کہ خدا کے سوا کسی کو عالم الغیب کہنا درست نہیں ہے۔

الغیب ما لا یتناوله الحواس من الامور الکائنة فی الحال او الماضی او الاستقبال

یعنی غیب ان امور کے جاننے کو کہتے ہیں، جن کے علم و ادراک سے ہر قسم کے مادی حواس وظاہری ذرائع قاصر ہوں، ان کا تعلّق خواہ زمانۂ حال سے ہو یا ماضی سے اور خواہ استقبال سے۔ (ملاحظہ ہو شرح اصول کافی از علامہ مازندرانی)

بنابریں ظاہر ہے کہ صرف خدا کے علم کو ہی علم غیب کہا جاسکتا ہے۔ مخلوق کا وہ علم جو رمل و نجوم وغیرہ سے حاصل ہو، یا کسی دور بین یا کسی اور ذریعہ سے حاصل ہو، وہ علم غیب نہیں ہے۔

چنانچہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ط (سورہ النمل: ۶۵)

ترجمہ: کہہ دو جو کوئی بھی آسمانوں میں ہے یا جو کوئی زمین میں ہے اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔

عام مخلوق کی غیب دانی کی اس عمومی نفی کے اعلان کے بعد خدائے حکیم نے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے ان کے عالم الغیب ہونے کی نفی کا اعلان یوں کرایا ہے:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ج اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ط (سورۃ مائدہ: ۵۰)

ترجمہ: (اے رسولؐ) کہہ دو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جس کی مجھے وحی ہوتی ہے۔

اس واضح اعلان سے ذاتی اور عطائی غیب کی حقیقت بھی کھل جاتی ہے۔ بھلا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کر دیا کہ میں علم غیب نہیں جانتا تو پھر یہ ذاتی اور عطائی کی تقسیم کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟

ہاں! خداوند متعال جس قدر مناسب سمجھتا ہے اپنے مقربِ بارگاہ بندوں (نبیوں اور اماموں) کو بعض گزشتہ و آئندہ واقع ہونے والے امور کی اطلاع دیدیتا ہے۔

چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا (۲۶) اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (سورۃ جن: ۲۶-۲۷)

ترجمہ: خدا عالم الغیب ہے، وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، مگر جس رسول کو منتخب کرے۔

یا جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (سورۃ آلِ عمران:۱۷۹)

ترجمہ: اللہ تم کو غیب پر مطلع نہیں کرتا، وہ تو اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔

مگر اہلِ علم و دانش جانتے ہیں کہ اسے غیبی امور پر اطلاع کہا جاتا ہے، علم غیب نہیں کہا جاسکتا، اور نہ ہی اس کے عالم کو عالم الغیب کہا جاسکتا ہے۔ ورنہ ہم سب عالم الغیب کہلا سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم بھی تو مصطفیٰ ﷺ اور ائمہ ہدیٰ کے بتانے سے اور وہ خدا کے بتانے سے سب جانتے اور مانتے ہیں کہ جنّت برحق ہے، دوزخ برحق ہے، نکیرین کا سوال و جواب برحق ہے، قیامت برحق ہے، میزانِ حق ہے۔

اور اسی طرح قیامت کے دوسرے تفاصیل جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں، برحق ہیں۔ اسی طرح سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کا دفتر احادیث کھنگال ڈالیں، اس میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملے گی جس میں ان ذواتِ مقدسہ پر "عالم الغیب" کا اطلاق کیا گیا ہو۔ اور اس کے برعکس احادیث میں بڑے شد و مد کے ساتھ اس نظریہ کی نفی کی گئی ہے۔

چنانچہ اصول کافی اور سابع بحار الانوار وغیرہ میں ان ذواتِ قادسہ کی غیب دانی کی نفی پر پورے پورے باب موجود ہیں، جن کا عنوان ہے: "انهم عليهم السلام لايعلمون الغيب" پھر ان ابواب میں چہاردہ معصومین علیہم السلام کے مُتعدّد و مستند ارشادات مذکور ہیں، جن میں ان کے عالم الغیب ہونے کی بالصراحت نفی کی گئی ہے...... بہ نظر اختصار ان تمام ارشادات کو چھوڑ کر صرف امام زمانہ عجّل اللہ فرجہ الشریف کی توقیع مبارک کا ایک جزء پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے، فرماتے ہیں:

فاشهد الله الذی لا اله الا هو وكفى به شهيدا و رسوله محمدا صلى الله عليه و آله و ملئكته و انبيائه و اوليائه عليهم السلام و اشهدك واشهد كل من سمع كتابي هذا انى يرى الى الله الى رسوله ممن يقول انا نعلم الغيب ۔ (احتجاج طبرسی صفحہ ۲۲۵، طبع النجف)

میں اس خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ اور وہ گواہی کے لیے کافی ہے اس کے رسولِ برحق کو، اس کے فرشتوں، اس کے نبیوں اور ولیوں علیہم السلام کو گواہ بنا کر اور تجھے اور ہر اس شخص کو گواہ قرار دے کر کہتا ہوں جو میرا یہ مکتوب پڑھے کہ میں ان لوگوں سے بری و بیزار ہوں جو یہ کہتے ہیں کہ "عالم الغیب" ہیں۔

ہمارے علماء اعلام کے اقوال سے علم کلام کی کتا

چھلک رہی ہیں ۔ جنھوں نے ثابت کیا ہے کہ خدا کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے ۔ یہاں بطور نمونہ ایک جلیل القدر عالم کی فرمائش پیش کی جاتی ہے اور وہ ہیں امین الاسلام علامہ طبرسی ۔ وہ اپنی تفسیر مجمع البیان ج ۔ ۔ صفحہ ۳۱۳ طبع ایران جدید میں رقمطراز ہیں :

و وجدت بعض المشائخ ممن يتسم بالعدوان و التشنيع قد ظلم الشيعة الامامية فى هذا الموضوع من تفسيره فقال هذا يدل على ان الله سبحانه يختص بعلم الغيب و لا شك انه عنى بذلك من يقول بامامة الاثنا عشر و يدين بانهم افضل الانام بعد النبى فان هذا دأبه و ديدنه فيهم يشنع فى مواضع كثيرة من كتابه عليهم و ينسب الفضائح و القبائح اليهم و لا نعلم احداً منهم استجاز بوصف بعلم الغيب لاحد من الخلق فانما يستحق الوصف بذلك من يعلم جميع المعلومات الا بعلم مستفاد و هذا صفة القديم سبحانه لعالم بذاته لا يشركه فيه احد من المخلوقين و من اعتقد ان غير الله سبحانه يشركه فى هذه الصفة فهو خارج عن ملة الاسلام (الى ان قال) و هوهذا الاسبُ صريح و تضليل لهم و تكفير۔ (تفسير مجمع البيان ج۵ ص ۳۱۳ طبع تهران)

بذیل آیت مبارکہ : وَلِلّٰہِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ فَاعْبُدْہُ وَ تَوَکَّلْ عَلَیْہِ ط وَ مَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۝ (سورۃ ہود :۱۲۳)

ترجمہ : میں نے بعض مشائخ کو پایا ہے جو کہ ظلم وزیادتی اور طعن وتشنیع کرنے کے عادی ہیں، انھوں نے اس مقام پر بھی شیعہ امامیہ ظلم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علم غیب خدا تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اور اس سے رافضیوں کے نظریہ کی تردید ہوجاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ائمہ علم غیب جانتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ اس ظالم کی رافضیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو ائمہ اثناعشر کی امامت کے قائل ہیں، اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے افضل جانتے ہیں ۔ کیونکہ اس شخص کا رویہ یہی ہے کہ اپنی کتاب میں اکثر مقامات پر ان کو اسی لب ولہجہ کے ساتھ یاد کر کے ان پر طعن وتشنیع کرتا ہے ۔ اور تمام شنائع وقبائح کو ان کی طرف منسوب کرتا ہے ۔ حالانکہ ہمیں کوئی ایک شیعہ بھی ایسا معلوم نہیں جس نے کسی مخلوق کو عالم الغیب کہنے کا اجازت دی ہو ۔ کیونکہ اس وصف (عالم الغیب ہونے) کا مستحق ہو ہوتا ہے جو تمام معلومات کو اپنے ذاتی علم کے ذریعہ جانتا ہو، نہ کہ علم مُستفاد و مُستعار کے ساتھ ۔ اور یہ صرف خدائے قدیم کی صفت ہے، جس کا علم ذاتی ہے، اس وصف میں اس کی کوئی مخلوق بھی اس کی شریک نہیں ہے...... اور جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ کوئی مخلوق اس وصف میں خدا کے ساتھ شریک ہے تو وہ ملت اسلام سے خارج ہے ۔ جو شخص ان کی طرف یہ نسبت دیتا ہے وہ کُھلّم کُھلّا ان کو گالی دیتا ہے اور ان کی تضلیل وتکفیر کرتا ہے ۔

بہر نوع خدا کے قرآن، چہاردہ معصومین علیہم السلام کے فرمان اور علماء اعلام کے کلام حق ترجمان سے جو چیز پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے، وہ یہ ہے کہ عالم الغیب کا اطلاق صرف اس ذات والاصفات پر کیا جاتا ہے جس کا علم اپنا ذاتی ہو، اور وہ بھی کلی واحاطی ہو۔ کس قدر انقلاب زمانہ ہے کہ کبھی تو وہ دور تھا کہ اگر کوئی شخص شیعوں کی طرف یہ

باقی صفحہ ۳۹ پر

باب التفسیر

اسراف اور فضول خرچی کی مذمت اور ان کا باہمی فرق

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

قرآن و حدیث اسراف و فضول خرچی کی مذمت سے لبریز نظر آتے ہیں۔ ارشادِ قدرت ہے:

كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ج اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾

کھاؤ پیو، مگر اسراف نہ کرو۔ کیونکہ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (سورۃ الاعراف: ۳۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مال درحقیقت خدا کا مال ہے، اس نے بطور امانت کچھ لوگوں کے پاس رکھا ہے اور اس نے صرف میانہ روی سے خرچ کرنے کو روا رکھا ہے کہ میانہ روی سے کھائیں، میانہ روی سے پہنیں، میانہ روی سے نکاح کریں، میانہ روی سے سوار ہوں اور باقی ماندہ فقراء و مساکین مومنین کی اصلاحِ احوال پر خرچ کریں، جو شخص ایسا کرے گا، اس کا کھانا پینا، پہننا، نکاح کرنا اور سوار ہونا حلال ہوگا، اور جو اس سے تجاوز کرے گا تو وہ مال اس پر حرام ہوگا۔ الخ (تفسیر برہان)

سورۃ انعام میں ہے:

لَا تُسْرِفُوْا ط اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ (سورۃ انعام: ۱۴۱)

اسراف نہ کرو، کیونکہ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اس کی تفسیر میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک شخص کھیت کاٹتے (یا ڈھیری اٹھاتے) وقت دونوں کفِ دست سے خیرات کرے، یہ بھی اسراف ہے، بلکہ ایک ہاتھ سے خیرات کرنی چاہیے۔ (تفسیر صافی)

خدا نے قرآن میں فرعون کو مسرف اور فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ج وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ (سورۃ یونس: ۸۳)

لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ...... ﴿۲۷﴾ (سورۃ بنی اسرائیل: ۲۶ و ۲۷)

اسراف و تبذیر کا باہمی فرق

تبذیر بے محل خرچ کرنے کا نام ہے، جبکہ اسراف برمحل مگر ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔ (مجمع البحرین)

خدا نے سورہ مومن میں اسراف کرنے والوں کو جہنمی قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

اَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ (سورۃ مؤمن: ۴۳)

اسراف کرنے والے جہنمی ہیں۔

کئی احادیث میں وارد ہے کہ چند قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ ان میں سے ایک وہ

شخص ہے جس کو خدا مال و دولت عطا فرمائے اور وہ اسے فضول خرچی میں ضائع کر دے اور پھر خدا سے کہے: خدایا! مجھے رزق دے۔

متعدد احادیث میں وارد ہے: "ما افتقر من اقتصد" جو شخص میانہ روی و کفایت شعاری سے کام لیتا ہے، وہ کبھی فقیر و نادار نہیں ہوتا۔ (الکافی)

بلکہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو شخص میانہ روی سے کام لے گا، میں ضامن ہوں کہ وہ کبھی فقیر نہ ہوگا۔ (وسائل الشیعہ)

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مومن کی تین علامتیں ہیں: ① صحیح اندازے کے مطابق خرچ کرنا ② مصیبت پر صبر کرنا ③ دین میں سوجھ بوجھ رکھنا۔ (وسائل الشیعہ)

قصد در فقر و غنا از کف مدہ
عدل در قہر و رضا از کف مدہ

(اقبال)

خلاصہ یہ کہ فضول خرچی ایک بہت بڑی معاشرتی اور اقتصادی برائی ہے۔ جو نہ صرف افراد کی بلکہ پوری قوم کی اقتصادی حالت پر برا اثر ڈالتی ہے، اور کئی دوسری برائیوں کو جنم دیتی ہے۔ اس لیے اس کا انسداد ضروری ہے۔ ہم مسلمان ہیں، ہمیں قیصر و کسریٰ اور دنیا کے جابر و جائز حکمرانوں کے نقش قدم پر نہیں، بلکہ بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و کردار میں تمھارے لیے بہترین نمونۂ عمل موجود ہے۔ کیونکہ:

نبیؐ کا طرزِ زندگی منافقت کی موت ہے

لہٰذا ہمیں یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ قیصر و کسریٰ نے اپنی شہزادیوں کی شادیاں کس دھوم دھام سے کیں، بلکہ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ والیٔ کونینؐ نے شہزادیٔ یثرب کی شادی کس سادگی سے کی؟ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تو اپنی لختِ جگر بیٹی کو دنیا بھر کے ریشم و دیبا کے کپڑے، دنیا بھر کے زیور اور دنیا بھر کا سامانِ آرائش و آسائش، بلکہ خاک کو اکسیر بنا کر جہیز میں دے سکتے تھے۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ دیا تو کیا؟

① ایک بستر (جس میں کپاس کی بجائے لیف خرما بھرا ہوا تھا) بچھانے کے لیے۔
② ایک چکی آٹا پیسنے کے لیے۔
③ ایک چرخہ سوت کاتنے کے لیے۔
④ مٹی کے چند برتن گھر کے استعمال کے لیے۔
⑤ چند موٹے جھوٹے کپڑے تن بدن ڈھانکنے کے لیے۔

(عاشر بحار الانوار)

کیوں؟ صرف اس لیے کہ امت کے غریب و نادار لوگوں کے لیے نمونۂ عمل پیش کیا جائے۔ اور ان کی لمبی ناک کو کٹنے سے اور اس طرح لڑکیوں کی زندگی کو تباہی و بربادی سے بچایا جائے۔ مگر ع

جنھیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

تو اگر شہنشاہِ دین و دنیا کی یہ سادہ اور مختصر جہیز دینے سے توہین نہیں ہوتی تو ہماری کیوں توہین ہوتی ہے سادہ جہیز دینے سے۔

باقی صفحہ ۳۷ پر

باب التفسیر

منافقین کی دوغلی روش و رفتار کا تذکرہ

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ وَ ہُوَ خَادِعُہُمۡ ۚ وَ اِذَا قَامُوۡۤا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوۡا کُسَالٰی ۙ یُرَآءُوۡنَ النَّاسَ وَ لَا یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبۡذَبِیۡنَ بَیۡنَ ذٰلِکَ ٭ۖ لَاۤ اِلٰی ہٰۤؤُلَآءِ وَ لَاۤ اِلٰی ہٰۤؤُلَآءِ ؕ وَ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ سَبِیۡلًا ﴿۱۴۳﴾

(سورۃ النساء: ۱۴۲۔۱۴۳)

ترجمۃ الآیات

منافق (بزعم خود) خدا کو دھوکا دے رہے ہیں۔ حالانکہ وہ انھیں دھوکے میں رکھ رہا ہے۔ (انھیں ان کی دھوکابازی کی سزا دینے والا ہے) اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بے دلی اور کاہلی کے ساتھ وہ بھی خلوص نیت سے نہیں بلکہ محض لوگوں کو دکھانے کے لیے۔ اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑے۔ (۱۴۲) وہ (کفرو اسلام کے) درمیان ڈانواں ڈول ہیں، نہ پورے اس طرف نہ پورے اس طرف، جسے اللہ بھٹکنے دے (اس کی کج رفتاری کی وجہ سے توفیق ہدایت سلب کرلے) تو اس کے لیے ہدایت کا کوئی راستہ نہیں پائے گا۔ (۱۴۳)

تفسیر الآیات

ان المنافقین یخادعون اللہ......الآیۃ

سورۂ بقرہ کی ابتداء میں منافقوں کے خدا اور رسول کو دھوکا دینے کا مفہوم اور خدا ان کے دھوکے کی جزا دینے کا مطلب تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ کس طرح اپنے دل و دماغ میں کفر چھپا کے اور زبان سے اسلام کا اظہار کر کے خدا و رسول کو دھوکا دینے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اور جواب میں خدا دنیا میں ان پر اسلام کے احکام لاگو کر کے اور آخرت میں ان کے ساتھ کفار والا سلوک کر کے کس طرح ان کو ان کی اس روش و رفتار کی سزا دے گا؟ اس مقام (جلد اول) کی طرف رجوع کیا جائے۔

نماز جمعہ و جماعت میں شرکت کی اہمیت

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد معدلت انگیزی میں کوئی شخص اس وقت تک مُسلمان نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک وہ نماز کی پابندی نہیں کرتا تھا، اور جمعہ و جماعت میں شامل نہیں ہوتا تھا۔

جس طرح دنیوی جماعتیں کسی رکن کو بلا عذر اپنے اجتماعات میں مسلسل شریک نہ ہونے والے کو رکنیت سے خارج کر دیتی ہیں، اسی طرح اُس زمانے میں کسی شخص کے بلا عذر مسلسل جمعہ وجماعت کے اجتماعات میں شامل نہ ہونے والے کو غیر مُسلمان تصور کیا جاتا تھا۔

اُس زمانے میں منافقوں کی کیفیت ان حالات میں بڑی عجیب تھی۔ ان کو جماعت میں حاضری تو پا

وقت دینی پڑتی تھی مگر ان کو دل پر جبر کرنا پڑتا، جسم پر زور ڈالنا پڑتا، اور اپنے کو کشاں کشاں مسجد میں لاتے اور نماز کے ختم ہوتے ہی اس طرح بھاگ جاتے جیسے کسی قیدی کو رہائی مل جائے۔ مگر مخلص اہلِ ایمان بڑے شوق وذوق سے مساجد میں جاتے، سب سے پہلے پہنچ جاتے اور سب کے آخر میں جاتے۔

بہرحال منافقوں کی اس چال ڈھال سے پتا چلتا تھا کہ یہ لوگ دلی رغبت اور قلبی لگاؤ سے خدا کی عبادت نہیں کر رہے ہیں اور نہ ہی ان کی عبادت میں للّٰہیت کی کوئی خو بو ہوتی تھی۔ اور نہ ان میں وہ کیف وسرور اور شوق وذوق ہوتا تھا۔ اور نہ ہی وہ سکون واطمینان جو ایک مخلص مُسلمان کو ذکر خدا میں محسوس ہوتا ہے۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

مومن اور منافق کی پہچان

آج بھی مساجد میں حاضری اور نماز ہائے پنجگانہ اور جمعہ میں شرکت اور عدم شرکت سے مومنوں اور منافقوں کا پتا چلایا جاسکتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

المومن فی المسجد کالسیکۃ فی الماء و المنافق فی المسجد کالسمکۃ فی البر۔

مومن مسجد میں یوں لذت محسوس کرتا ہے جیسے مچھلی پانی میں تیر رہی ہو، اور منافق مسجد میں یوں کوفت محسوس کرتا ہے جیسے مچھلی خشکی میں آ گئی ہو۔ (سابع بحار الانوار)

خدا فرماتا ہے کہ منافق لوگ لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔ دراصل ذکر خدا بہت کم ہی کرتے ہیں۔

ریاکار کی علامات

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا:

''للمرائی ثلاث علامات یاکسل اذا کان وحدہ، و ینشط اذا کان الناس عندہ یحب ان یحمد عالم یفعل''

ریاکار کی تین علامتیں ہیں:

① جب تنہا ہو تو سستی کرتا ہے۔

② جب لوگ موجود ہوں تو خوشی محسوس کرتا ہے۔ اور

③ چاہتا ہے کہ نہ کردہ کام پر اس کی تعریف کی جائے۔

(کتاب الخصال، شیخ صدوقؒ)

ریاکار کا انجام

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے آباء و اجدادِ طاہرینؑ کے سلسلۂ سند سے حضرت رسولؐ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: قیامت کے دن ریاکار کو چار ناموں سے پکارا جائے گا۔ ① اے کافر ② اے فاجر ③ اے غادر، اور ④ اے خاسر! تیرا عمل حبط اور تیرا اجر ضبط ہے۔ آج ان لوگوں سے اپنا اجر طلب کر جن کو دکھانے کے لیے تو عمل کیا کرتا تھا۔ (مجمع البیان)

مذبذبین......الآیۃ

نہ وہ جماعت مومنین میں داخل ہیں اور نہ زمرہ کافرین، میں وہ درمیان میں لٹکے ہوئے ہیں اور ہمیشہ دوغلی پالیسی رکھنے والوں اور دورنگی اختیار کرنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے کہ: ع

نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

باقی صفحہ ۳۹ پر

باب الحدیث

خواہشِ نفس کی پیروی کرنے کی مذمت

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

① حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تمھارے بارے میں دو چیزوں کا زیادہ خوف ہے (کہ ان کی وجہ سے گمراہ نہ ہو جاؤ)

① ایک خواہش نفس کی پیروی کرنا

② اور دوسرا لمبی امیدیں باندھنا۔

کیونکہ خواہش نفس کی پیروی کرنا حق سے باز رکھتا ہے۔ اور لمبی امیدیں آدمی کو آخرت بھلا دیتی ہیں۔

② حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: اپنی خواہشاتِ نفس سے اسی طرح ڈرو جس طرح دشمنوں سے ڈرتے ہو۔ کیونکہ لوگوں کے لیے خواہشِ نفس کی پیروی کرنے سے زیادہ دشمنی کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ (اصول کافی)

③ نیز انہی حضرت سے منقول ہے، فرمایا: نفس کو اس کی خواہش پر مت چھوڑو۔ کیونکہ اس کی ہلاکت ہے۔ کیونکہ نفس کو اس کی خواہش پر چھوڑ دینا اس کی بیماری ہے اور اس کی خواہش سے روکنا اس کا علاج ہے۔ (ایضاً)

④ ارشادِ قدرت: "اما من خاف مقام ربہ و نھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماویٰ" جو شخص اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضری وحضوری سے ڈرتا ہے اور نفس کو اس کی خواہش سے روکتا ہے تو یقیناً جنت الفردوس اس کا ٹھکانا ہے۔ (القرآن)

⑤ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ خداوند عالم (حدیث قدسی میں) فرماتا ہے: مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم جو شخص اپنی خواہش پر میری خواہش کو مقدم سمجھتا ہے، تو اس کی حفاظت اپنے فرشتوں سے کراتا ہوں۔ اور زمینوں اور آسمانوں کو اس کی روزی کا کفیل بناتا ہوں۔ الخ (اصول کافی)

وفیہ کفایۃ لمن لہ ادنیٰ درایۃ

باب المسائل

مختلف دینی و مذہبی سوالات کے جوابات

مطابق فتویٰ: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی

سائل: ظرف حسین واہالیان دیہ احمد والی ضلع بھکر

سوال نمبر ۱: شخص کے دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں، اس نے اپنی کل ملکیت ۱۳۴ کنال دو بیٹوں کے نام ہبہ کروا دی۔ کیا فقہ جعفریہ کی رو سے ایسا کرنا جائز ہے؟۔

الجواب باسمہ سبحانہ: وراثت مرنے کے بعد تقسیم ہوتی ہے۔ جو لڑکوں کا حصہ ہے، وہ ان کو مل جائے گا اور جو لڑکیوں کا حصہ ہے وہ ان کو مل جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنی جائیداد اولاد میں تقسیم کرنا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ حقدار کو اس کا پورا حق دے۔ اس طرح لڑکوں کو نوازنا اور لڑکیوں کو محروم کرنا رسومِ جاہلیت کا احیاء ہے۔

سوال نمبر ۲: ایک عورت کو باپ دادا سے ۲۰ کنال زمین وراثت میں ملی ہے، اس نے وہ جائیداد اپنے بھتیجوں کے نام کرا دی ہے، اس پر اس کا شوہر اور دو بیٹے راضی ہیں یا خاموش ہیں۔ مگر ایک بیٹی کا اصرار ہے کہ اسے اس کا شرعی حق دیا جائے۔

الجواب باسمہ سبحانہ: اس سوال کا جواب بھی پہلے سوال کے جواب سے واضح ہے۔ ویسے زندگی میں ہر مالک کو اس قسم کا تصرف کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے۔ مگر محتاط طریقہ وہی ہے جس کا تذکرہ کر دیا گیا ہے۔

سوال نمبر ۳: اکثر لوگ وراثت میں بچیوں کو محروم کر دیتے ہیں، کیا ایسا کرنے کی شریعت میں اجازت ہے؟۔

الجواب باسمہ سبحانہ: ہاں! رام چندر جی کی شریعت میں تو ایسا کرنا جائز ہے۔ مگر شریعت مقدسہ اسلامیہ میں ایسا کرنا ناجائز اور حرام ہے، اور لڑکیوں پر ظلم ہے۔

سوال نمبر ۴: ایک آدمی نے ۱۹۸۶ء میں کسی کو چار ہزار روپیہ قرضہ دیا، مگر مقروض نے باوجود استطاعت کے واپس نہیں کیا۔ مگر اب ادا کرنا چاہتا ہے، تو آیا چار ہزار روپیہ ادا کرنے سے فارغ الذمہ ہو جائے گا، جبکہ اس وقت سونے کا چار ہزار فی تولہ تھا اب ساٹھ ہزار ہے۔ لہٰذا اسی نسبت سے اب قرض ادا کرے گا؟۔

الجواب باسمہ سبحانہ: اس نے بہت غلط کام کیا کہ باوجود استطاعت اور تقاضا کے قرضہ ادا نہیں کیا۔ لہٰذا اسے خدا سے معافی اور قرضہ دینے والے سے معذرت طلب کرنی چاہیے۔ لیکن چار ہزار روپیہ ادا کرنے سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ واللہ العالم

سائل: قدیر عباس مبارک پور ضلع بہاولپور

سوال نمبر: کار کے لیے لکی کمیٹی ڈالی گئی جس میں ۳۰۰ ممبر ہیں۔ ہر ماہ قرعہ اندازی ہوگی، جس کے نام قرعہ نکلے گا باقی اقساط اس کو معاف ہوں گی۔ کل ۶۱ ماہ قرعہ اندازی ہوگی، جس جس کے نام قرعہ نکلے گا اسے اگلی

اقساط معاف ہوں، ۶۱ ماہ بعد جو ۲۳۹ ممبر باقی بچیں گے ان کو بطور اضافی ایک لاکھ دس ہزار روپے ادا کرنے پڑیں گے۔ اگر کوئی شخص درمیان میں کمیٹی کو چھوڑنا چاہے تو اس کو اداشدہ رقم میں سے کچھ نہیں ملے گا۔

الجواب باسمہ سبحانہ: یہ صورت حال صرف اس صورت میں جائز ہے کہ جب ان لوگوں کو جن کا نام قرعہ اندازی میں نہیں نکلا پوری جمع شدہ رقم واپس کردی جائے یا کار اپنے مقررہ ریٹ پر دی جائے۔ الغرض اگر تمام شرکاء میں سے کسی ایک کا کوئی نقصان نہ ہو تو پھر جائز ہے اور کوئی ڈوب جائے اور کوئی تر جائے تو پھر یہ لاٹری ہے اور حرام ہے۔

سائل: محمد توقیر رضا آف راولپنڈی

سوال نمبر ۱: کچھ لوگ امریکہ اور اسرائیل مردہ باد کے نعرے لگاتے ہیں کہ یہ دشمن اسلام ہیں۔ یہ نعرہ لگانا کیسا ہے؟

الجواب باسمہ سبحانہ: یہ نعرہ لگانا جائز ہے، بلکہ ہر دشمن اسلام و مُسلمین کے بارے میں ایسا نعرہ لگانا اور ان کے لیے بددعا کرنا جائز ہے۔

سوال نمبر ۲: اکثر ہم مجالس میں سنتے ہیں کہ جناب بلال جو حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مؤذن تھے، ان کو ایک بار اذان دینے سے روکا گیا، جس کی وجہ سے صبح نہیں ہوئی تھی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تک بلال اذان نہیں دے گا تب تک صبح نہیں ہوگی۔ یہ روایت کیسی ہے؟

الجواب باسمہ سبحانہ: یہ روایت بالکل سینہ گزٹ ہے۔ ہماری کتب مُعتبرہ میں اس کا کوئی نام ونشان بھی موجود نہیں ہے۔

سوال نمبر ۳: کیا ایسے پیش نماز کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے جس کی قراءت درست نہ ہو؟

الجواب باسمہ سبحانہ: اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ پیش نماز کے لیے مؤمن اور عادل ہونا اور اس کی قراءت کا صحیح ہونا شرط ہے۔ مگر اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ اس کی قرائت درست نہیں ہے؟ ممکن ہے کہ مُقتدی کی اپنی قراءت غلط ہو۔

سوال نمبر ۴: کیا عورت نامحرم مردوں کو درس دے سکتی ہے؟

الجواب باسمہ سبحانہ: ہاں دے سکتی ہے۔ مگر شرعی پردہ کرکے۔

سوال نمبر ۵: کیا ٹوپی پہننا جائز ہے؟

الجواب باسمہ سبحانہ: ہاں ٹوپی پہننا جائز ہے۔ مگر نماز پگڑی باندھ کر پڑھنا افضل ہے۔

سوال نمبر ۶: ہم لوگ ایک مُشکل میں پڑ گئے ہیں، وہ مسئلہ یہ ہے کہ تصوف اور عرفان میں کیا فرق ہے؟ ایک عالم دین کہہ رہے تھے کہ عرفان تصوف کا بدلا ہوا نام ہے۔ اور یہ بھی سنتے ہیں کہ ایک اسلامی عرفان ہے اور دوسرا غیر اسلامی۔ ان کا باہمی فرق واضح فرمائیں۔

الجواب باسمہ سبحانہ: آپ کے عالم دین نے بالکل ٹھیک کہا کہ عرفان تصوف ہی کا بدلا ہوا نام ہے۔ یہ دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی اور اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے رسالہ سیر و سلوک کا مطالعہ ہی کافی ہے۔ مزید برآں میرے

رسالہ "اقامۃ البرہان علیٰ بطلان التّصوف والعرفان" کی طباعت کا انتظار کریں، سب حقیقت واضح و آشکار ہوجائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

سائل: محمد اسلم ملک مکھڈ روڈ جنڈ ضلع اٹک

سوال نمبر ۱: آیا "یا علی مدد" کہنا جائز ہے یا نہیں؟ یا پھر بہتر کیا ہے؟ جبکہ ہمیں یا علی مدد کہنے سے تو بڑا لطف آتا ہے۔ سورۃ فاتحہ میں جہاں "ایاک نعبد" یعنی اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں۔ تو دوسرا حصہ یعنی "ایاک نستعین" یعنی تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ تو کیا اللہ کے سوا کسی سے مدد مانگنا جائز ہے۔ یا اللہ کے جو نیک بندے ہیں اور انتہائی فضیلت پر فائز ہیں، ان سے مدد مانگنے سے اللہ جل جلالہ ناراض تو نہیں ہوتے؟۔

الجواب باسمہ سبحانہ: جہاں تک عندالملاقات "یا علی مدد" کہنے کا تعلق ہے یہ شش امامیوں یعنی آغا خانیوں کا مسلکی شعار ہے۔ مگر جو "اسلامی سلام" ہے وہ "سلامٌ علیکم" یا "السلام علیکم" ہے اور جواب "وعلیکم السلام" یا "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" ہے و بس۔

سوال نمبر ۲: کیا مُسلمان ہونے کے لیے مولا علی علیہ السلام کی ولایت کا اقرار ضروری ہے۔ یا پھر جو بندہ اللہ کو وحدہ لاشریک مانتا ہے، آخری نبی محمد مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی مانتا ہے، قرآن مجید پر ایمان، روزِ قیامت پر ایمان، تمام انبیاء علیہم السلام اور الہامی کتابوں پر ایمان لاتا ہے تو مُسلمان ہے یا پھر جب تک مولا علی علیہ السلام کی ولایت کا اقرار نہیں کرتا مُسلمان نہیں ہوتا؟۔

الجواب باسمہ سبحانہ: اصول عقائد دو قسم کے ہیں: (۱) اصول اسلام (۲) اصول ایمان۔ (کیونکہ اسلام و ایمان دو مُختلف حقیقتیں ہیں) یعنی جو شخص توحید پروردگار، ختم رسالت حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قیامت کا اقرار کرے۔ یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے وہ مُسلمان ہے۔ اور جو شخص ان تین عقائد کے ساتھ ساتھ خداوند عالم کی عدالت اور حضرت امیر علیہ السلام اور دوسرے ائمہ اطہارؑ کی ولایت و امامت کا بھی اقرار کرے وہ اہل ایمان ہے۔ یعنی مذکورہ کلمہ کے ساتھ علی ولی اللہ پڑھے وہ مومن کہلانے کا حقدار ہے اور شیعی المذہب ہے۔:

سوال: عزاداری کی مثالی شکل اور خدوخال کیا ہے۔ اگر مروجہ رسومات جو علاقائی روایات کی مرہون منت ہیں یکسر عزاداری سے باہر نکال دی جائیں تو عزاداری کی کیا شکل وصورت رہ جائے گی جو رسومات وروایات سے پاک ہو اور خالصتہً عزاداری کہلا سکے؟ کیا ان رسومات سے اجتناب کر کے کوئی مومن عزادار کہلا سکتا ہے؟

الجواب باسمہ سبحانہ: عزاداری کی مثالی شکل وصورت اور اس کے خد و خال وہی ہیں جو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے لے کر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام تک ائمہ اہل بیت کے ادوار میں تھے۔ مثلاً مظلوم کربلا کی صف ماتم بچھائی جائے اور علاقہ کے اہل ایمان کو اطلاع دی جائے اور مقررہ وقت پر کوئی خطیب ان مظالم جو مظلوم کربلا پر ڈھائے گئے۔ اور ظالموں کو بے نقاب کر کے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ امام عالی

مقام کی شہادت کا مقصد بیان کرے اور جب یہ ثابت ہوجائے کہ آپ نے یہ سب کچھ دین اسلام کی بقاء اور امت محمدیہ کی فوز وفلاح کے لیے کیا ہے تو پھر دین اسلام کے اصول وفروع اور اس کے تعلیماتِ مقدسہ کا تذکرہ کیا جائے۔ جس میں بقدرضرورت اہل بیتؑ کے فضائل اوران کے دشمنان کے رزائل کا بھی تذکرہ کیا جائے اور سب سے بڑھ کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا جائے۔ سید الشہداءؑ کی عزاداری غلط رسوم وقیود اور جاہلی ادوار کی روایات کی محتاج نہیں ہے۔ ع

حاجت مشاطہ نیست روئے دل آرام را

ہاں البتہ اگر عزادارانِ حسین اگر جلوس نکالیں جس میں عزاداروں کا سادہ طرز میں مظلوم کربلا کے مصائب اور ظالموں کے ظلم کا تذکرہ کیا جائے عامۃ الناس اور جلوس کو دیکھنے اور لوگ ظالم سے نفرت کریں اور مظلوم سے الفت، تو یہ بات مقصد عزاداری کے لیے سونے پر سہاگے کا کام دے سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس جلوس میں کسی مُنکر اور خلاف شرع کام کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ مثلاً خواتین نہ ہوں اور اگر ہوں تو باپردہ ہوں، نماز یا کسی دوسرے رکن دین کو ضائع نہ کیا جائے۔ بلکہ جب اور جہاں نماز کا وقت فضیلت داخل ہوجائے وہیں جلوس روک کر کربلا والوں کی تقلید وتاسی میں نماز ادا کی جائے۔ تاکہ عزاداری کی تاثیر دوبالا ہوجائے اور حق کا بول بالا اور باطل کا مُنھ ہمیشہ کے لیے کالا ہوجائے۔

نوٹ: اور اگر بعد مکانی وزمانی کی وجہ سے عزادار کوئی شبیہ بنانا چاہیں جیسے روضہ سید الشہداءؑ کی شبیہ اور سرکار وفاؑ کے علم شبیہ جو بے جان کی بے جان ہونے یا سرکار امام عالی مقام کے گھوڑے کی شبیہ ذوالجناح جو جاندار کی جاندار شبیہ ہونے کی بناء پر بننا جائز ہے تو بنا سکتے ہیں، تاکہ واقعہ کربلا کو تمثیلی شکل میں پیش کیا جائے، بشرطیکہ ان پر کوئی حرام کام نہ کیا جائے، جیسے سجدہ یا چڑھاوے اور منت وغیرہ۔

باب المتفرقات

قیامِ حضرت امام حسینؑ میں اہلِ کوفہ کے خطوط کا کردار

ڈاکٹر عباس زیدی، پی ایچ ڈی۔ پاکستان اسٹڈی سینٹر جامعہ کراچی

خلاصہ: یزید کے خلاف امام حسینؑ کے قیام کے متعلق یہ فکر پائی جاتی ہے کہ امامؑ نے اہلِ کوفہ کے خطوط کی وجہ سے یزید کے خلاف قیام کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ لیکن اہلِ کوفہ نے بے وفائی دکھائی، چنانچہ امامؑ اپنے ہی شیعوں کی وجہ سے شہید کر دیے گئے۔ اس مقالہ میں اہلِ کوفہ کے خطوط کا اس زمانے کے حالات کے تناظر میں جائزہ لیا گیا ہے اور تاریخ میں جو خطوط ملتے ہیں ان کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ مقالہ کے مطابق اہلِ کوفہ امامؑ کی طرف اس وقت متوجہ ہوئے جب انھیں امامؑ کے مکہ آنے اور یزید کی بیعت سے انکار کر دینے کی خبر ملی۔

دوسری جانب کوفہ میں بنی اُمیہؓ کے حامیوں نے بھی یزید کو کوفہ کے حالات سے آگاہ کرنے کے لیے بہت سے خطوط لکھے، جس کے بعد یزید نے ابن زیاد کو کوفہ پہنچ کر امامؑ کی تحریک کو دبانے اور انھیں قتل کرنے کا حکم دیا۔ لہٰذا یہ کہنا درست نہیں کہ امام حسینؑ اہلِ کوفہ کے بلاوے کی وجہ سے عازم کوفہ ہوئے، تاکہ حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر یزید کے خلاف جنگ کر سکیں۔

☆

حضرت امام حسینؑ نے یزید کی حکومت کے خلاف جو قیام کیا، اس حوالے سے مُسلمانوں کے یہاں یہ فکر پائی جاتی ہے کہ اہلِ کوفہ نے حضرت امام حسینؑ کو جو پے در پے خطوط لکھے، ان ہی خطوط کے نتیجہ میں وہ شہر کوفہ کی طرف متوجہ ہوئے اور انھوں نے وہاں جا کر یزید کے خلاف قیام کرنے کا اِرادہ کیا۔ چنانچہ پہلے اپنے مُعتمد سفیر اور چچازاد بھائی حضرت مُسلم بن عقیلؑ کو کوفہ روانہ کیا، اور ان کے پیچھے خود بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عازم کوفہ ہوئے لیکن اہلِ کوفہ نے بے وفائی دِکھائی، چنانچہ حضرت امام حسینؑ اپنے ہی شیعوں کی وجہ سے شہید کر دیے گئے۔ اس فکر کو اس درجہ ترقی دی گئی کہ یہاں تک کہا جانے لگا کہ حضرت امام حسینؑ اپنے ہی ساتھیوں کی بے وفائی کے نتیجہ میں شہید ہوئے، بلکہ شیعوں نے خود ہی حضرت امام حسینؑ کو بلایا اور ان کو خود ہی شہید کر دیا۔

ہم اپنے اس مقالہ میں صرف اہلِ کوفہ کے خطوط کا اس زمانے کے حالات و واقعات کے تناظر میں جائزہ لیں گے اور اس حوالے سے تاریخ میں جو خطوط ملتے ہیں، ان کا تجزیہ کریں گے، تاکہ حقیقت تک رسائی حاصل کی جا سکے۔ مقتل لہوف میں اس طرح سے منقول ہے کہ:

و سمع اهل الكوفة بوصول الحسين عليه السلام الى مكة و امتناعه من البيعة ليزيد فاجتمعوا فى منزل سليمان بن صرد الخزاعى۔

"اہلِ کوفہ نے جب امام حسینؑ کی مکہ میں تشریف آوری اور یزید سے بیعت کے انکار کی خبر سنی تو انھوں نے سُلیمان بن صرد خزاعی کے گھر اجتماع کیا"۔

اس سے معلُوم ہوتا ہے کہ اہلِ کوفہ امام حسینؑ کی طرف جب متوجہ ہوئے انھیں یہ خبر ملی کہ حضرت امام حسینؑ مکہ آچکے ہیں اور یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے۔ یہ کہنا درست نہیں کہ حضرت امام حسینؑ اہلِ کوفہ کے بلاوے کی وجہ سے عازمِ کوفہ ہوئے، تاکہ زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر یزید کے خلاف جنگ کرسکیں۔ اس اجتماع میں جو سُلیمان بن صرد کے گھر مُنعقد ہوا تھا، سُلیمان اس طرح مخاطب ہوئے:

یا معشر الشیعة انکم قد علمتم بان معاویة قد هلك و صار الی ربه و قدم علی عمله و قد قعد فی موضعه ابنه یزید و هذا الحسین بن علی علیهما السلام قد خالفه و صار الی مکة هاربا من طواغیت آل ابی سفیان و انتم شیعته و شیعة ابیه من قبله و قد احتاج الی نصرتکم الیوم فان کنتم تعلمون انکم ناصروه و مجاهدوا عدوه فاکتبوا الیه و ان خفتم الوهن الفشل فلا تغروا الرجل من نفسه۔

اے شیعو! تم نے سنا کہ معاویہ وفات پاچکا ہے اور اس کا بیٹا یزید اس کا جانشین بن بیٹھا ہے اور نیز یہ بھی تم جانتے ہو کہ حسینؑ بن علیؑ نے اس کی مخالفت کی ہے اور بنی امیہّ کے ستم کاروں کے شر سے بچنے کے لیے خانہ خدا میں پناہ لے رکھی ہے۔ تم ان کے والد کے شیعہ ہو اور آج امام حسینؑ تمھاری نصرت کے ضرورت مند ہیں۔ اگر تم ان کی مدد کرنے اور ان کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کا ارادہ رکھتے ہو تو اپنی آمادگی کا اظہار کرو، اور امام کو خط کے ذریعے سے اطلاع کرو، اور اگر تم ڈرتے ہو کہ تھارے اندر سستی و غفلت پیدا ہوگی تو انھیں اپنے حال پر چھوڑ دو اور انھیں فریب نہ دو۔

یہ مختصر لیکن اہم اجتماع تھا کہ جو سُلیمان بن صرد کے گھر مُنعقد ہوا تھا۔ اس تقریر میں وہ اہلِ کوفہ کو مطلع کرتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ نے مکہ میں خانہ خدا میں پناہ لی ہوئی ہے، جس سے معلُوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ مدینہ سے مکہ اہلِ کوفہ کے خطوط کی وجہ سے نہیں آئے تھے، بلکہ جب اہلِ کوفہ کے وفاداری اور ساتھ ہی ان کی بے وفائی کو بھی اپنی تقریر میں مدنظر رکھا تھا لیکن اس وقت کے ماحول میں سب نے یہی جواب دیا کہ ہم انھیں دعوت دیں گے اور ان کے دشمن کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے اپنی جان ان کی راہ میں نچھاور کر دیں گے۔ چنانچہ سُلیمان بن صرد نے اس مضمون میں حضرت امام حسینؑ کو خط لکھا:

(بسم الله الرحمن الرحیم) للحسین بن علی امیر المومنین من سلیمان بن صرد الخزاعی و المسیب بن نجبة، و رفاعه بن شداد، و حبیب بن مظاهر، و عبدالله بن وائل، و شیعة من المومنین، سلام علیك، اما بعد فالحمد لله الذی قصم عدوك و عدو ابیك من قبل الجبار العنید الغشوم الظلوم الذی ابتز هذه الامة امرها و غصبها فیئها و تامر علیها بغیر رضی منها ثم قتل خیارها و استبقی شرارها و جعل مال الله دولة بین جبابرتها و عتاتها فبعدا له کما بعدت ثمود ثم انه لیس علینا امام غیرك فاقبل لعل الله یجمعنا بك

علی الحق و النعمان بن بشیر فی قصر الامارة و لسنا نجمع معه فی جمعة و لا جماعة و لا نخرج معه فی عید و لوقد بلغنا انك اقبلت اخرجناه حتی یلحق بالشام و السلام علیك و رحمة الله و بركاته یابن رسول الله و علی ابیك من قبلك ولا حول و لا قوة الا بالله العلی العظیم

(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) حسینؑ بن علیؑ کے نام!

سُلیمان بن صرد خزاعی، مُسیّب بن نجبۃ، رفاعہ بن شداد، حبیب بن مظاہر، عبداللہ بن وائل اور بعض دیگر مومنین اور شیعوں کی طرف سے، سلام کے بعد ہم خداوند عالم کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے آپ کے والد گرامی کے دشمن کو ہلاک کیا۔ وہ ایک ایسا ظالم خونخوار شخص تھا جس نے امتِ مُسلمہ کی حکومت پر ظلم و ستم کے ساتھ قبضہ کیا۔ مُسلمانوں کے بیت المال کو غصب کیا، اور ان کی رضا مندی کے بغیر حاکم بن بیٹھا۔ نیک لوگوں کو تہِ تیغ کیا، اور فاسق و فاجر لوگوں کو چھوڑ دیا۔ خداوند عالم کے مال کو جابروں اور سرکشوں کے لیے وقف کر دیا۔ وہ خدا کی رحمت سے دور ہوا۔ جس طرح قوم ثمود دور ہوئی، اور ہمارا اس وقت آپ کے سوا اور کوئی امام و پیشوا نہیں ہے اور بہت مناسب ہے کہ آپ قدم رنجہ فرما ہوں، اور ہمارے شہر میں تشریف لے آئیں۔ امید ہے کہ خداوند عالم آپ کے وسیلہ سے ہمیں راہِ سعادت کی رہنمائی فرمائے گا۔ اس وقت کوفہ کا حاکم نعمان بن بشیر قصر دارالامارہ میں ہے لیکن ہم نماز جمعہ اور نماز پنجگانہ میں حاضر نہیں ہوتے اور نمازِ عید کے لیے بھی اقتداء نہیں کرتے۔ اگر ہم اس بات سے باخبر ہوجائیں کہ آپ ہمارے یہاں تشریف لا رہے ہیں تو اسے ہم کوفہ سے نکال کر شام کی طرف روانہ کر دیں گے۔ اے پیغمبرؐ کے فرزند! آپ پر اور آپ کے والد گرامی پر ہمارا سلام۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

انھوں نے یہ خط عبداللہ بن سبع ہمدانی اور عبداللہ بن وال تمیمی کے ہاتھوں روانہ کیا۔ یہ دونوں افراد تیزی کے ساتھ نکلے اور دس رمضان المبارک تک حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ پھر دو دِن کے بعد قیس بن مسہر صیداوی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن الکدن ارجی اور عمارہ بن عبید سلولی کو بھی کوفہ سے روانہ کیا گیا، جو ایک سو پچاس خطوط لے کر روانہ ہوئے۔ ان خطوط پر ایک، دو، تین یا چار افراد کے دستخط تھے۔

مقتل لہوف کے مطابق ایک دن میں چھ سو خطوط پہنچے۔ اس کے علاوہ متواتر خطوط پہنچتے رہے، یہاں تک کہ ان کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی۔ اہلِ کوفہ کی طرف سے آخری خط ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبداللہ حنفی کے توسط سے حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچا، جس کا مضمون یہ تھا:

(بسم الله الرحمن الرحیم) لحسین بن علی من شیعته من المومنین و المسلمین : اما بعد فحیهلا فان الناس ینتظرونك و لا رای لهم فی غیرك فالعجل العجل والسلام علیك.

(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) "حسینؑ بن علیؑ کے نام یہ خط ان کے شیعوں کی جانب سے ہے جو مومن و مُسلم ہیں۔ اما بعد اے فرزند پیغمبرؐ! جلد سے جلد ہماری طرف آجائیے۔ کیونکہ سب لوگ آپؑ کے مُنتظر ہیں، اور آپؑ کے علاوہ ان کا دل کسی دوسرے کے لیے نہیں تڑپ رہا ہے۔ لہٰذا

جلدی کیجیے، جلدی۔ والسلام علیک"۔

ایک اور اہم خط شبعث بن ربعی، حجاز بن ابجر، یزید بن حارث بن یزید بن رویم، عروہ بن قیس، عمرو بن حجاج زبیدی اور محمد بن عمر تمیمی نے حضرت امام حسینؑ کی طرف روانہ کیا کہ جس کا مضمون یہ تھا:

اما بعد فقد اخضر الجنات و اینعت اثمار و طمت الجمام فاذا شئت فاقدم علی جندلك مجند و السلام علیك

اما بعد: باغ سرسبز ہو چکے ہیں، پھل پک چکے ہیں اور ہر طرف ہریالی ہی ہریالی ہے اور سبز پتوں نے درختوں کی ہریالی میں اضافہ کر دیا ہے۔ آپ ہمارے پاس تشریف لے آئیں تو آپ اپنے لیے ایک تیار اور آمادہ فوج پائیں گے۔ والسلام علیک۔

اس خط کا مضمون کچھ اس طرح سے رقم کیا گیا تھا کہ مقتل لہوف کے مطابق خود حضرت امام حسینؑ نے پوچھا کہ یہ خط کن لوگوں نے لکھا ہے۔ تمام پیغام رساں حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت امام حسینؑ نے ان سب کے خطوط پڑھ کر وہاں کے لوگوں کی احوال پرسی کی، پھر ہانی بن ہانی السبیعی اور سعید بن عبداللہ حنفی جو نامہ بروں کے سلسلے کے آخری رکن تھے، ہمراہ کوفیوں کے خطوط کا جواب اس طرح لکھا:

(بسم اللہ الرحمن الرحیم) من حسین بن علی الی الملامن المومنین و المسلمین، اما بعد فان هانئا و سعید اقدما علی بکتبکم و کانا آخر من قدم علی من رسلکم و قد فهمت کل الذی اقتصصتم و ذکرتم و مقالة جلکم انه لیس علینا امام فاقبل لعل الله ان یجمعنا بك علی الهدی و الحق و قد بعثت الیکم اخی و ابن عمی و ثقتی من اهل بیتی و امرته ان یکتب الی بحالکم و امرکم و رائکم فان کتب الی انه قد اجمع رای ملئکم و ذوی الفضل و الحجی منکم علی مثل ما قدمت علی به رسلکم و قرات فی کتبکم اقدم علیکم و شیکا ان شاء الله فلعمری ما الامام الاالعامل بالکتاب و الآخذ بالقسط و الدائن بالحق و الحابس نفسه علی ذات الله و السلام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط حسینؑ بن علیؑ کی طرف سے مومنین و مُسلمین کے ایک گروہ کے نام بعد از حمد خدا، ہانی اور سعید تمھارے خطوط لے کر ہمارے پاس پہنچ چکے ہیں۔ یہ دونوں ان نامہ رسانوں میں سے آخری نامہ رساں ہیں جو اب تک ہمارے پاس آ چکے ہیں۔ میں نے ان تمام چیزوں کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے، جس کا قصہ تم لوگوں نے بیان کیا ہے اور جن باتوں کا تم لوگوں نے ذکر کیا ہے۔ تم میں سے اکثر و بیشتر لوگوں کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی امام نہیں ہے، لہٰذا آ جائیے۔ شاید خداوند عالم آپ کے وسیلہ سے ہم لوگوں کو ہدایت و حق پر جمع کر دے۔ میں تمھاری طرف اپنے بھائی اور چچا کے بیٹے (مُسلم بن عقیل) اور اپنے خاندان کے اس فرد کو بھیج رہا ہوں جس پر مجھے اعتماد ہے۔ میں نے ان سے کہا ہے کہ وہ وہاں جا کر تمھاری آراء و خیالات سے مجھ کو مطلع کریں۔ اب اگر انھوں نے مجھ کو مطلع کر دیا کہ تھارے خیالات وہی ہیں جو تم نے اپنے خطوط میں تحریر کیے ہیں، جسے میں نے دِقّت سے پڑھا ہے اور صرف عوام نہیں بلکہ تمھارے ذمہ دار اور صاحبانِ فضل و شرف افراد بھی اس

پر متفق ہیں، تو ان شاء اللہ بہت جلد میں تم لوگوں کے پاس آجاؤں گا۔ قسم ہے میری جان کی، امام تو بس وہی ہے جو کتابِ خدا پر عمل کرنے والا ہو، عدل و انصاف قائم کرنے والا، حق پر قائم، اس کا اجراء کرنے والا اور اللہ کی راہ میں خود کو وقف کرنے والا ہو۔ والسلام۔

حضرت امام حسینؑ نے جناب مسلم بن عقیلؑ کو بلایا اور قیس بن مسہر صیداوی، عمارہ بن عبید السلولی اور عبدالرحمٰن بن الکدن ارجی کے ہمراہ آپ کو روانہ کیا، اور فرمایا کہ اگر تم نے محسوس کیا کہ لوگ اپنے کیے ہوئے وعدہ پر برقرار ہیں تو مجھے فوراً اس سے مطلع کرنا۔ حضرت مسلم اپنے تینوں ساتھیوں قیس بن مسہر صیداوی، عمارہ بن عبید السلولی اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ الکدن ارجی کے ہمراہ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے اور جناب مختار بن ابوعبیدہ ثقفی کے گھر مہمان ہوئے۔ وہاں پہنچتے ہی لوگ جوق در جوق حضرت مسلم بن عقیلؑ کی خدمت میں آکر شرفیاب ہونے لگے اور ان کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ جب شیعہ اکٹھا ہوگئے تو حضرت مسلمؑ نے انھیں حضرت امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سنایا، جسے سُن کر سب رونے لگے۔

اسی دوران عابس بن ابی شبیب شاکری، حبیب بن مظاہر، سعید بن عبداللہ حنفی اور دیگر لوگوں نے اپنی مدد و نصرت کا یقین دلایا۔ حضرت مسلمؑ کے یہاں شیعوں کی آمد و رفت کا سلسلہ اس طرح سے جاری ہوگیا کہ ان کی رہائش گاہ جانی پہچانی ہوگئی۔ یہاں تک کہ اس کی خبر اس وقت کے کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کو بھی ہوگئی۔

نعمان بن بشیر نے جب کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیلؑ کی آمد اور حضرت مختار کے یہاں قیام کی خبر سنی تو منبر پر آیا اور اس نے اہلِ کوفہ کو فتنہ و پراگندگی کی طرف بڑھنے سے ڈرایا۔ لیکن اس کی تقریر ایسی تھی کہ بنوامیہ کے ایک حامی عبداللہ بن مسلم بن سعید حضرمی نے اس سے کہا کہ یہ وقت سخت گیری کا ہے، جبکہ تم نے اپنے دشمنوں کے ساتھ ناتواں اور ضعیف لوگوں کی سیاست اختیار کی ہے۔ لیکن نعمان نے اس کی بات کو نظر انداز کر دیا جس پر اس نے یزید بن معاویہ کو ایک خط لکھا اور کہا:

فان مسلم بن عقیل قد قدم الکوفة فبایعته الشیعة للحسین بن علی، فان کان لك بالکوفة حاجة فابعث الیها رجلا قویا ینفذ امرك و یعمل مثل عملك فی عدوك، فان النعمان بن بشیر رجل ضعیف و هو یتضعف۔

امابعد: مسلم بن عقیل کوفہ پہنچ چکے ہیں، اور حسین بن علیؑ کے چاہنے والوں نے ان کی بیعت کرلی ہے۔ اب اگر تم کوفہ کو اپنی قدرت میں رکھنا چاہتے ہو تو کسی ایسے قوی انسان کو بھیجو جو تمھارے حکم کو نافذ کر سکے اور اپنے دشمنوں کے سلسلے میں تمھارے ہی جیسا اقدام کر سکے۔ کیونکہ نعمان بن بشیر ایک ناتواں انسان ہے، یا شاید خود کو ضعیف دکھانا چاہ رہا ہے۔

اسی طرح عمارہ بن عقبہ اور عمر بن سعد بن ابی وقاص نے بھی ایسے ہی خطوط لکھ کر یزید کو کوفہ کے حالات سے باخبر کیا۔

ہم یہاں ان خطوط کا ذکر کر رہے ہیں جن کے ذریعے ایک طرف اہلِ کوفہ کے مخلص شیعہ حضرت امام حسینؑ کو خطوط لکھ کر بلا رہے ہیں اور دوسری طرف یزید

کے پیروکار اسے خط لکھ کر شہر کوفہ کے حالات سے باخبر کر رہے ہیں اور کسی سخت گیر گورنر کو کوفہ پر مُسلّط کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ ابی مخنف کی روایت کے مطابق جب فقط دو دنوں میں یزید کے پاس خطوط کا انبار لگ گیا تو اس نے اپنے خاص غلام سرجون کو بلایا اور اس سے مشورہ طلب کیا۔ اس کے غلام نے معاویہ کا خط اسے پیش کیا کہ اگر کوفہ ہاتھ سے نکلا جا رہا ہو تو وہاں عبیداللہ بن زیادہ کو مُسلّط کر دینا۔ یزید نے ابن زیاد کو جو اس وقت بصرہ کا گورنر تھا، خط لکھا کہ:

امابعد فانه كتب الى شيعتى من اهل الكوفة يخبرونني ان ابن عقيل بالكوفة يجمع الجموع لشق عصا المسلمين فسر حين تقرا كتابي هذا حتى تاتى اهل الكوفة فتطلب ابن عقيل كطلب الخرزة حتى ت ثقفه فتوثقه او تقتله او تنفيه و السلام۔

امابعد! کوفہ سے میرے پیروؤں نے خط لکھ کر مجھ کو خبر دی ہے کہ ابن عقیل کوفہ میں جمع ہو کر مُسلمانوں کے اجتماع کو درہم برہم کر رہا ہے، تو تم میرا خط پڑھتے ہی رخت سفر باندھ کر کوفہ پہنچ جاؤ، اور ابن عقیل کی جستجو میں لگ جاؤ، جیسے کوئی اپنے گم شدہ گوہر کو تلاش کرتا ہے، یہاں تک کہ اسے اپنی گرفت میں قید کر لو، یا قتل کر دو، یا پھانسی پر چڑھا دو۔ والسلام

کوفہ سے یزید کو لکھے جانے والے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح کوفہ میں حضرت امام حسینؑ کے چاہنے والے تھے، اسی طرح یزید کے حامی بھی موجود تھے۔

جب حضرت مُسلم بن عقیلؑ کو عبیداللہ بن زیاد کے کوفہ پہنچنے اور کوفہ کے حوالے سے اس کی سخت گیر حکمت عملی کی اطلاع ملی تو آپ جناب مُختار کے گھر سے جناب ہانی بن عروہ کے گھر منتقل ہو گئے۔ وہاں پہنچنے کے بعد اٹھارہ ہزار لوگوں نے حضرت مُسلم بن عقیلؑ کے ہاتھوں بیعت کی، جس کے بعد جناب مُسلمؑ نے حضرت امام حسینؑ کے نام ایک خط لکھ کر اسے عابس بن شبیب شاکری کے ہاتھوں روانہ کیا کہ جس میں انھوں نے لکھا کہ کوفہ کے اٹھارہ ہزار لوگوں نے ان کی بیعت کر لی ہے۔ لہٰذا جلد یہاں تشریف لائیں۔ حضرت امام حسینؑ نے عراق جانے کا راستہ اختیار کیا اور جب حاجر بطن رمہ تک پہنچے تو وہاں پہنچ کر قیس بن مسہر صیداوی کو اہلِ کوفہ کی طرف روانہ کیا، اور ان کے ہمراہ اہلِ کوفہ کے نام ایک خط لکھا کہ:

وحدثنى محمد بن قيس ان الحسين اقبل حتى اذا بلغ الحاجر من بطن الرمة بعث قيس بن مسهر الصداوى الى اهل الكوفة و كتب معه اليهم: بسم الله الرحمن الرحيم من الحسين بن على الى اخوانه من المومنين و المسلمين، سلام عليكم فانى احمد اليكم الله الذى لا اله الا هو، اما بعد فان كتاب مسلم بن عقيل جائنى يخبرنى فيه بحسن رايكم و اجتماع ملئكم على نصرتنا و الطلب بحقنا فسالت الله ان يحسن لنا الصنع و ان يثيبكم على ذلك اعظم الاجر، و قد شخصت اليكم من مكة يوم الثلاثاء لثمان مضمين من ذى الحجة يوم التروية فاذا قدم عليكم رسول فاكمشوا امركم وجدوا، فانى قادم عليكم فى ايامى هذه ان شاء الله والسلام عليكم و رحمة الله و بركاته۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط حسین بن علیؑ کی جانب

سے اپنے مومنین، مُسلمین بھائیوں کے نام۔ سلام علیکم۔ میں اس خدا کی حمد کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ امابعد، حقیقت یہ ہے کہ مُسلم بن عقیل کا خط مجھ تک پہنچ چکا ہے۔ اس خط میں انھوں نے مجھے خبر دی ہے کہ تم لوگوں کی رائے اچھی ہے اور تمھارے بزرگوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ وہ ہماری مدد کریں گے اور ہمارے حق کو ہمارے دشمنوں سے واپس لے لیں گے تو میں خدا سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمارے لیے اچھی راہ قرار دے اور اس کے ثواب میں تم لوگوں کو اجر عظیم سے نوازے۔ اس سے تم لوگ آگاہ رہو کہ میں بروز سہ شنبہ ۸ ذی الحجّہ یوم الترادیہ مکہ سے نکل چکا ہوں، لہٰذا جب میرا نامہ بر تم لوگوں تک پہنچے تو جو کام تم کو کرنا چاہیے اس کی تدبیر میں لگ جاؤ اور اس مسئلہ میں بھرپور کوشش کرو۔ کیونکہ میں ان شاء اللہ انھیں چند دنوں میں تم تک پہنچنے والا ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

لیکن جب قیس بن مسہر کوفہ روانہ ہوئے تو قادسیہ کے مقام پر حصین بن تمیم نے آپ کو گرفتار کر کے عبید اللہ بن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ جہاں آپ کو قصر سے نیچے پھینک کر شہید کر دیا گیا۔

جب عبید اللہ بن زیاد نے حضرت مُسلم بن عقیلؑ اور ہانی بن عروہ کو شہید کر دیا تو اس کی اِطلاع یزید کو ایک خط کے ذریعے دی، یزید نے اس فعل بد کا شکریہ ادا کیا اور لکھا:

قد بلغنی ان اهل الكوفة كتبوا الى الحسين فى القدوم عليهم و انه قد خرج من مكة متوجها نحوهم، و قد بلى به بلدك من بين البلدان، و ايامك من بين الايام، فان قتلته و الا رجعت الى نسبك و الى ابيك عبيد، فاحذر ان يفوتك.

مجھے خبر ملی ہے کہ اہلِ کوفہ نے حسینؑ کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دی ہے اور وہ ان کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے کوفہ کی جانب چل پڑے ہیں اور اب کوفہ کی گورنری تیرے لیے امتحان ہے۔ اگر تو نے حسینؑ کو قتل کر دیا تو ٹھیک، وگرنہ میں اعلان کروں گا کہ تیرا حسب نسب درست نہیں ہے اور تیرا نسب تیرے باپ کی طرف لوٹا دوں گا، اور لوگوں سے کہوں گا کہ تو اور تیرا باپ زیاد بن ابیہ آلِ قریش سے نہیں ہیں اور تیرے سابقہ حسب و نسب (یعنی تو ولدالزنا ہے) سے تمام لوگوں کو مطلع کروں گا۔ پس خبردار حسینؑ کو زندہ نہیں جانا چاہیے۔

اس خط میں یزید نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا، کیونکہ وہ ولدالزنا تھا، لیکن معاویہ نے اس کے باپ زیادہ کو اپنا بھائی قرار دیا تھا۔ چنانچہ اس خط میں یزید نے عبید اللہ بن زیاد کو دھمکی دی کہ اگر تو نے حسین بن علیؑ کو قتل نہ کیا تو میں اعلان کرا دوں گا کہ تیرا حسب و نسب صحیح نہیں ہے۔

ان خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض خطوط حضرت امام حسینؑ کو کوفہ کی جانب دعوت دینے کے لیے لکھے گئے اور ان میں ان لوگوں کے خطوط بھی شامل تھے کہ بقول فرزدق جن کی دل تو امام حسینؑ کے ساتھ تھے لیکن تلواریں آپؑ کے مدمقابل تھیں اور بعض خطوط یزید کے حامیوں نے یزید کو کوفہ کی صورتحال سے آگاہ کرنے کے لیے لکھے تھے اور درخواست کی تھی کہ نعمان بن بشیر کی جگہ کسی سخت گیر گورنر کو کوفہ پر مُسلّط کر دیا جائے۔ کوفہ کے کچھ لوگوں کو یہ ذمہ داری دی گئی تھی کہ وہ خطوط کو حضرت

امام حسینؑ کی خدمت میں پیش کریں، یا خود ان سے ملاقات کریں ۔ ان میں عبداللب بن سبع ہمدانی، عبداللہ بن وال تیمی، قیس بن مسہر صیداوی، ہانی بن ہانی سبیعی، عمارہ بن عبید السلولی، سعید بن عبداللہ حنفی اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ ارجی شامل ہیں ۔

اگرچہ خود امام حسینؑ کو معلوم تھا کہ اہلِ کوفہ ان سے دغا کریں گے لیکن فریضہ امامت ادا کرتے ہوئے آپ کوفہ روانہ ہوئے ۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جب اہلِ کوفہ کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت امام حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے اور آپ مکہ میں قیام پذیر ہیں تو انھوں نے آپؑ کو کوفہ کی جانب آنے کی دعوت دی ۔ ایسی حالت میں جبکہ مکہ میں یزید کی مخالفت کو جاری رکھنے کی وجہ سے آپ کو شہید کرنے کے لیے باقاعدہ احکامات جاری کر دیے گئے تھے ۔ آپ کس شہر کا انتخاب کرتے؟

کوفہ چونکہ جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے اہم مرکز تھا اور وہاں کے لوگوں نے مسلسل خطوط لکھ کر اپنی حمایت کا مکمل یقین دلایا تھا، لہٰذا حضرت امام حسینؑ کا وہاں جانے کا مقصد ان پر اتمام حجّت کرنا تھا، اگرچہ آپ سمجھتے تھے کہ یہی اہلِ کوفہ آپؑ کو شہید کر دیں گے ۔ چنانچہ حضرت امام حسینؑ نے کوفہ کے راستے میں ایک شخص کو یہی جواب دیا تھا: ''ھذہ کتب اھل الکوفۃ الی و لا اراھم الا قاتلی'' ۔ کہ یہ اہلِ کوفہ کے خطوط ہیں اور یہی اہلِ کوفہ مجھے قتل کر دیں گے ۔ اہلِ کوفہ میں جن لوگوں نے حضرت امام حسینؑ کو خطوط لکھے، ان میں سے بعض کی نشاندہی آپؑ نے بروز عاشور فرمائی ۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

یا شبث بن ربعی، یا حجار بن ابجر، یا قیس بن الاشعث، یا یزید بن الحارث، الم یکتبوا الی ان قد ابتعت الثمار و اخضر الجناب و انما تقدم علی جند لك مجند

اے شبث بن ربعی، اے حجاز بن ابجر، اے قیس بن اشعث، اے یزید بن حارث! کیا تم ہی لوگوں نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ پھل پکنے کے قریب ہیں، درخت سرسبز و شاداب ہیں اور تیار لشکر آپ کے لیے حاضر ہے ۔

لیکن ان لوگوں نے صاف انکار کر دیا ۔

کوفہ میں حقیقی شیعوں کی تعداد قلیل تھی اور جن لوگوں نے حضرت امام حسینؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی ان میں سے بعض نے کوفہ کی صورتحال کے پیشِ نظر حضرت امام حسینؑ کو خطوط لکھ کر اپنی حمایت کا یقین دلایا اور بعض نے حقیقی معنوں میں حضرت امام حسینؑ کو خطوط لکھے ۔ لیکن ایسے شیعوں کی تعداد مختصر تھی ۔ لہٰذا یہ قرار دینا کہ اہلِ کوفہ چونکہ شیعہ تھے اور انھوں نے ہی حضرت امام حسینؑ کو خطوط لکھ کر بلایا، لہٰذا شیعوں نے ہی حضرت امام حسینؑ کو شہید کیا ۔ یہ فقط پروپیگنڈا ہے، جس کا ادراک اہلِ کوفہ کی جانب سے حضرت امام حسینؑ اور یزید کو لکھے جانے والے خطوط اور ان میں درج مضامین سے ہوتا ہے کہ جس میں ایک طرف اہلِ کوفہ کے چند مخلص شیعہ حضرت امام حسینؑ کو خطوط لکھ رہے تھے اور دوسری طرف یزید کے حمایتی خطوط لکھ کر اسے کوفہ کی صورتحال سے آگاہ کر رہے تھے ۔

یزید اہلِ کوفہ کے ان ہی خطوط کی وجہ سے کوفہ کی جانب متوجہ ہوا، اور اس نے عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ پر مسلّط کر دیا، جس نے وہاں پہنچ کر سخت گیر حکمت عملی اپنائی

باقی صفحہ ۳۹ پر

باب المتفرقات

فرقہ واریّت کا پھیلاؤ اور سدّباب، کیوں اور کیسے؟

تحریر: محمد حسین

ہمارے سماجی مسائل میں سے ایک بنیادی اور اہم مسئلہ ''فرقہ واریت'' ہے۔ اس کے اسباب زیادہ تر سیاسی وسماجی نوعیّت کے ہیں، تاہم کچھ چیزیں علمی نوعیّت کی بھی ہیں۔ چاہے سیاسی مفادات کو فرقہ وارانہ رنگ دیا جائے یا فرقہ وارانہ سوچ کو سیاسی انداز میں آگے بڑھایا جائے، دونوں صورتوں میں سماج کی تعمیر وترقی اور امن وخوشحالی بری طرح متاثر ہوجاتی ہے۔ دونوں صورتوں میں مفاد پرست طبقہ اوران کے مفادات محفوظ رہتے ہیں، جبکہ جذباتی کارکنان اور عقیدت وتقلید کے جذبے سے سرشار عوام الناس اور ان کے مفادات مسلکی حمیّت میں مارے جاتے ہیں۔

واضح رہے کہ پاکستان میں سیکورٹی امور پر نظر رکھنے والے ایک غیر سرکاری تھینک ٹینک پاکستان انسٹیٹیوٹ آف پیس سٹڈیز کی سیکورٹی اعداد وشمار پر مبنی سالانہ رپورٹ کے مطابق ۲۰۱۴ء کے مقابلے میں گزشتہ سال یعنی ۲۰۱۵ء میں اگرچہ حملے کم ہوئے، تاہم فرقہ وارانہ قتل وغارت میں مرنے والے افراد کی تعداد ۲۰۱۴ء کی نسبت زیادہ ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق ۲۰۱۵ء میں فرقہ وارانہ ٹارگٹ کلنگ میں تقریباً تین سو افراد مارے گئے۔ اس رپورٹ میں ۲۰۱۵ء میں فرقہ وارانہ قتل وغارت میں سب سے زیادہ نشانہ بننے والے ۲۰۷ اُفراد کا تعلّق شیعہ (اثناعشری) ۴۵ افراد کا شیعہ اسماعیلی اور بوہری، جبکہ ۲۰ اُفراد کا تعلّق سُنّی مسلک سے بتایا گیا ہے۔ گزشتہ چھ سالوں کا جائزہ لیا جائے تو معلُوم ہوتا ہے کہ پاکستان میں سن بالترتیب ۲۰۱۰ تا ۲۰۱۳ میں فرقہ وارانہ قتل و غارت بہت زیادہ ہوا ہے، جبکہ ۲۰۱۴ء میں سب سے کم ہوا ہے۔ نیز ۲۰۱۵ء میں فرقہ وارانہ حملوں کی تعداد میں واضح کمی دکھائی دیتی ہے۔

فرقہ واریت کے سماجی اثرات

فرقہ واریت کے سماجی اثرات پورے سماج کو گھیر لیتے ہیں اور انتہائی تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ یہ زہریلے اثرات ذہنوں اور دلوں میں نفرت کی آگ بھڑکاتے ہوئے قتل و غارت اور خانہ جنگی تک پہنچ جاتے ہیں۔ ایسی صورتِ حال میں ہر طرف سے زندگی کے آثار معدوم ہونے لگتے ہیں اور ہر طرف موت، تباہی، بربادی، خوف، دہشت، خون، لاش اور آگ ہی نظر آنے لگتی ہے۔ فرقہ واریت کی آگ ایک دفعہ بھڑکنے کے بعد اس پر قابو پانے کی کئی دہائیاں لگ سکتی ہیں۔ سمجھ دار قوم وہی ہے جو آگ بھڑکنے کے بعد اس پر پانی ڈالنے میں اچھل کود کے بجائے ایسے اقدامات کرتی ہے جس سے آگ بھڑک نہ پائے اور بے وقوف قوم وہ ہے جو اپنے ہی گھر میں لگی آگ پر پانی

کے بجائے تیل چھڑکے اور بے وقوف ترین قوم وہ ہے جس کے گھر میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں اور وہ بھڑکتے شعلوں کا ہی اِنکار کرے۔

فرقہ واریت کے اسباب

فرقہ واریت کے بہت سے سیاسی، سماجی، تاریخی، فقہی، علمی، نفسیاتی اور تربیتی اسباب ہیں۔ تاہم چند نمایاں اسباب درجِ ذیل ہیں:

① جہالت: دین کی بنیادی تعلیمات اور وسیع تر مقاصد سے جہالت اور دوسرے فرقوں کے بارے میں لاعلمی۔

② معاشرتی شکست و ریخت: جب مُختلف فرقوں سے وابستہ لوگوں کے درمیان دوریاں پیدا ہوں تو ان کے درمیان ایک دوسرے کے بارے میں غلط فہمیاں، غلط تصورات اور افواہیں عام ہوجاتی ہیں۔ اور وسائل ایک دوسرے کے مسائل میں اضافہ کرنے کے لیے خرچ کیے جاتے ہیں۔

③ شناخت کا بحران: جب مُختلف مسالک سے وابستہ لوگ اپنے مسلک کے بارے میں یہ محسوس کرنے لگیں کہ ان کے ساتھ ریاستی یا سماجی سطح پر امتیازی سلوک کیا جاتا ہے، ان کے ساتھ تفریق کی جاتی ہے، ان کے حقوق غصب کیے جاتے ہیں تو ان میں احساسِ محرومی بیدار ہوتا ہے۔ نیز اسی طرح جو طبقہ، مسلک ریاستی اور سماجی سطح پر اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ مضبُوط، متحرک اور حصّہ دار سمجھتا ہے تو ان میں احساس برتری اور غلبہ کی نفسیات طاری ہوجاتی ہیں۔ احساسِ محرومی اور اور احساسِ برتری میں مُبتلا طبقات کے لیے شناخت کا مسئلہ اہمیت کا حامل بن جاتا ہے۔ اسی بنیاد پر وہ سماجی تفریق، تعصّب اور تشدد کے لیے جواز تلاش کرتے ہیں۔

④ غلو: اپنے فرقہ سے متعلّق شخصیات اور مُقدّسات کے متعلّق غلو اور مبالغہ آرائی سے کام لینا۔

⑤ تنقیص و تحقیر: دوسرے فرقہ سے متعلّق شخصیات اور مقدسات کی تنقیص، تحقیر، تکفیر اور توہین کرنا۔

⑥ تعصّب: ظلم و زیادتی پر بھی اپنے فرقہ سے متعلّق لوگوں کی اعانت کرنا اور دوسرے فرقہ کے لوگوں کے بارے میں مُتعصّبانہ رویہ اختیار کرنا۔

⑦ نفرت: محبّت و نفرت کا معیار جب فرقہ قرار پاتا ہے تو انسان دوسرے فرقوں سے وابستہ لوگوں سے نفرت کرنا مسلکی غیرت و حمیّت سمجھتا ہے۔

⑧ تشدد: فرقہ پرست انسان دین کی تمام تعلیمات کو پسِ پشت ڈال کر فرقہ کے لیے دوسروں پر تشدد کرنے اور قتل و غارت کو اپنا دینی فریضہ سمجھتا ہے۔

⑨ اِشتعال انگیزی: فرقہ پرست اپنے الفاظ، رویوں اور سوچ کو مذہبی اِصطلاحات اور تعلیمات کا لبادہ چڑھا کر فرقہ وارانہ آگ کو بھڑکاتا ہے، اور اپنے مفادات حاصل کرتا ہے۔

⑩ اِلزام تراشی: کسی بھی وقوع پذیر ہونے والے واقعہ پر بلا تحقیق ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنا اور اسے فرقہ وارانہ رنگ دینا۔

⑪ فرقہ پرستوں کی فکری، اخلاقی اور عملی سرپرستی: علماء دانشوروں، سیاسی و سماجی رہنماؤں اور عوام النّاس کی

جانب سے فرقہ پرستوں کے جرائم پر خاموشی، سہولت کاری اور تعاون فرقہ واریت کے پھیلنے کا باعث بنتا ہے اور فرقہ واریت کو سماجی قبولیت حاصل ہوتی ہے۔

⑫ دوسرے فرقہ کے بارے میں ان کے مستند موقف پر اعتبار کرنے کے بجائے اپنے خود ساختہ فہم اور تعبیر پر یقین کرنا۔

⑬ مکتب کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کے بجائے لوگوں کے ذاتی افعال اور حرکتوں سے ان کے بارے میں رائے قائم کر لینا۔

⑭ دوسرے فرقہ کو صرف رد کرنے اور گمراہ ثابت کرنے کے صرف محدود و مخصوص موضوعات کا مطالعہ کرنا۔

⑮ مفاہمانہ اور مکالمانہ اندازِ گفتگو کے بجائے مناظرانہ، مدافعانہ اور جارحانہ طرزِ گفتگو۔

⑯ دوسرے کی رائے کے ہمیشہ غلط ہونے اور اپنی رائے کے ہمیشہ صحیح ہونے پر یقین رکھنا۔

⑰ ذرائع ابلاغ: مختلف ملکوں، شہروں اور علاقوں میں مختلف اوقات میں پیش آنے والے واقعات کی بنیاد پر ایک دوسرے کے بارے میں غلط تصورات و تعصّبات پر مبنی غیر مستند تقاریر و تحاریر اور افواہوں کو عام کرنا۔

⑱ فرقہ وارانہ تقسیم پر مبنی دینی نصاب و تعلیمی نظام اور فرقہ وارانہ مفادات کے لیے قائم فرقہ وارانہ ادارے اور تنظیمیں۔

ریاستی اداروں، علاقائی اور بین الاقوامی قوتوں کے فرقہ وارانہ رجحانات، اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک فرقہ پرستی پر مبنی پالیسیاں اور حکمرانوں کے طرزِ حکمرانی میں موجود خامیاں۔

فرقہ واریت کی شدّت کو بڑھاوا دینے والے رویے

① دوسرے فرقوں کے مطالعہ کے لیے "اپنوں" کے لکھے ہوئے لٹریچر کا مطالعہ اور "اپنے" علماء سے رجوع کرنا۔

② دوسرے مسلک کو صرف رد کرنے، باطل ثابت کرنے اور گمراہ ثابت کرنے کے لیے محدود مخصوص موضوعات کا مطالعہ کرنا۔

③ غلط تصورات و تعصّبات پر مبنی غیر مستند تقاریر و تحاریر اور افواہوں پر یقین۔

④ "اپنے عقیدے کو چھوڑو مت اور دوسروں کے عقائد کو چھیڑو مت" کی رٹ لگائے رکھنا، اور علمی اِرتقاء کے سفر کو مُنجمد کرنا۔

⑤ کچھ عام افراد کے کچھ مخصوص ذاتی فعل سے پورے مکتب کے بارے میں رائے قائم کرنا۔

⑥ دوسرے فرقہ سے وابستہ لوگوں کو اپنے سے کم تر اور گمراہ مُسلمان سمجھنا اور سب و شتم اور تکفیر و تشدّد پر اُتر آنا۔

⑦ دوسرے پر ہونے والے تشدّد اور مظالم کو برحق اور جائز سمجھنا، اور ان کی طرف سے ان مظالم پر احتجاج کو شدّت پسندی قرار دینا، اور اپنے اوپر ہونے والے مظالم کو ظلم عظیم قرار دے کر احتجاج کرنا اور سب سے یہ توقع کرنا کہ وہ بھی ان کے ہمنوا بنیں۔

⑧ دوسروں کے سامنے یہ رویہ اختیار کرنا کہ آپ وہ نہیں جو آپ کہہ رہے ہیں، یا کر رہے ہیں، بلکہ وہ ہیں جو میں سمجھ رہا ہوں۔ یعنی دوسروں کے بارے میں ان کے

اپنے بیان اور عمل سے زیادہ اپنے فہم اور ظن پر اعتبار کرنا۔

(۹) کسی اور زمان و مکان اور حالات میں دیے گئے فتاویٰ، نظریات اور واقعات کی بنیاد پر موجودہ حالات پر رائے قائم کرنا، اور اپنا غصہ دوسرے فرقہ سے وابستہ سامنے بیٹھے ہوئے بے گناہ انسانوں پر نکالنا اور ان کو بھی شریکِ جرم قرار دینا۔

(۱۰) دوسروں کے مذہبی رسومات کو انتہائی بے وقوفانہ حرکتیں اور اپنے رسومات کو مقدس بنا کر پیش کرنا۔

(۱۱) شک، بداعتمادی اور بدظنی کا رویہ اختیار کرنا۔

فرقہ واریت کی شدت کو کم کرنے والے رویے

(۱) ہر فرقہ کے مطالعہ کے لیے ان کے نزدیک مستند لٹریچر اور ذمہ دار علماء سے رجوع کیجیے۔

(۲) مناظرانہ، مدافعانہ اور جارحانہ طرزِ گفتگو کے بجائے مفاہمانہ اور مکالمہ کا طرز اختیار کیجیے۔

(۳) دوسرے کو سنتے ہوئے یا پڑھتے ہوئے ان کے بارے میں قائم اپنے مفروضوں کو معطل کیجیے۔

(۴) مکالمہ اور مفاہمانہ عمل سے پہلے نتیجہ اخذ کرنے سے گریز کیجیے۔

(۵) دوسرے کو جاننے کے لیے توجہ سے سنیے، ماننے کے لیے یا منوانے کے لیے نہیں۔

(۶) دوسرے کو اختلافِ رائے رکھنے کا حق اور اس کو اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کا پورا موقع دیجیے۔

(۷) مکالمہ کا موضوع، مقصد اور سمت مکالمہ میں شامل ہر ایک کے لیے واضح کیجیے۔

(۸) ایک وقت میں صرف ایک شخص سے بات کیجیے۔

(۹) لب ولہجہ ہمیشہ دھیما رکھیے۔

(۱۰) اعلیٰ اخلاقی اقدار کا عملی مظاہرہ کیجیے۔

(۱۱) کم علمی محسوس ہونے کی صورت میں مزید مطالعہ اور مکالمہ کے لیے وقت نکال لیجیے۔

(۱۲) دوسرے کی رائے میں صحت اور اپنی رائے میں غلطی کا امکان کو سامنے رکھ لیجیے۔

(۱۳) سماجی تعامل کو بڑھا دیجیے اور سماجی بندھنوں، رشتوں اور مفادات کے تعلّق کو مضبوط تر کیجیے۔

(۱۴) تنوع اور اختلاف کے فطری وجود اور اس کی مزید گنجائش کو تسلیم کیجیے۔

فرقہ وارانہ تشدد کا خاتمہ کیسے ہو گا؟

فرقہ وارانہ تشدد کا بغور جائزہ لینے سے اس کے مراحل سمجھ میں آتے ہیں جو فرقوں کی بنیاد پر تقسیم سے شروع ہو کر سماجی فاصلے، سماجی تفریق، منافرت، مخصوص طبقات کی ریاستی و سیاسی سرپرستی، مخالف کے جینے کے حق کا انکار سے ہوتا ہوا فرقہ وارانہ قتل و غارت تک پہنچ جاتے ہیں۔ فرقہ وارانہ تشدد کو روکنے کے لیے عمل درآمد (Implementation) کے مرحلہ پر کام کرنے والے کردار کو سزا دینا ہرگز کافی نہیں بلکہ پہلے مراحل پر ہی اس کی روک تھام کے لیے سنجیدہ حکمتِ عملی بنانی ہوگی۔ اور ایسے اقدامات کرنے ہوں گے جس سے فرقہ واریت کے زہر آلود پھل کے ساتھ ساتھ اس کا تنا، اس کی جڑ اور اس کے بیج کا بھی خاتمہ ہو۔

ہمارے معاشرے کی تعمیر و ترقی اور خوشحالی و امن کے لیے فرقہ واریت ایک خطرناک زہر ہے۔ معاشرے

باقی صفحہ ۳۷ پر

باب المتفرقات

خصائص الزہراء سلام اللہ علیہا

علامہ سید ذیشان حیدر جوادی اعلیٰ اللہ مقامہٗ

کسی شخص کے خصوصیات و امتیازات کے بارے میں دو طرح سے بحث کی جاسکتی ہے۔

ایک بحث کا انداز یہ ہوتا ہے کہ اس کے امتیازات عام افراد بشر اور بنی نوعِ انسان کے درمیان کیا ہیں؟ اور وہ دوسرے افراد نوع کے کے مقابلہ میں کن خصوصیات کا حامل ہے؟

اور ایک بحث کا انداز یہ ہے کہ وہ اپنے جیسے صاحبانِ فضل و کمال کے درمیان کیا امتیاز رکھتا ہے، اور اسے کون سے خصوصیات حاصل ہیں جو دوسرے صاحبانِ فضل و کمال کو بھی حاصل نہیں ہیں۔

پہلا اندازِ بحث نسبتاً آسان اور سہل الحصول ہوتا ہے کہ ہر شخص میں عوام الناس کے مقابلہ میں کچھ نہ کچھ خصوصیات و امتیازات بہرحال پیدا ہو جاتے ہیں اور ان خصوصیات کو اس کے وجود کا طرۂ امتیاز قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن دوسرا اندازِ بحث قدرے مشکل ہے کہ صاحبانِ کمال کے درمیان امتیاز قائم کیا جائے اور ان کے باہمی تفاوت کا اندازہ لگایا جائے۔

یہ بحث اس لیے بھی مشکل ہے کہ صاحبانِ کمالات کے درمیان امتیاز قائم کرنا اور خصوصیات کا سراغ لگانا ہر کس و ناکس کے بس کا کام بھی نہیں ہے۔ پھر اگر موضوع ایسے افراد کی زندگی ہو، جہاں قدم قدم پر حد ادب کا لحاظ رکھنا ضروری ہو، اور حفظ مراتب کے ادنیٰ تغافل سے دین و ایمان اور دنیا و آخرت کے خطرہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو، تو مسئلہ اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

خصائص الزہراءؑ کے موضوع پر بحث کرنے کی سب سے بڑی دشواری یہی ہے کہ صدیقہ طاہرہؑ کا تقابل عام بنی نوعِ انسان سے نہیں ہوسکتا، اور ان کے سامنے دیگر افراد کا تذکرہ بھی ایک طرح کی توہین کا درجہ رکھتا ہے۔ جس طرح ایک شیر دل خاتون نے حاکم ظالم کے دربار میں یہ کہا تھا کہ یہ میرے اوپر الزام ہے کہ میں مولائے کائنات حضرت علیؑ کو دیگر افراد امت اور احکام اسلام سے افضل قرار دیتی ہوں۔ اس لیے کہ افضلیت کا سوال وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں دونوں طرف فضیلت ہو، اور صرف کم و بیش کا فرق ہو۔ لیکن جہاں ایک طرف فضیلت ہی فضیلت ہو اور دوسری طرف فقدان ہی فقدان ہو، وہاں افضلیت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟

صاحبانِ فضل و کمال کے درمیان امتیازات کا پتا لگانا صاحبانِ فضل و کمال ہی کا کام ہے۔ عام انسانوں کے بس کا کام نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ میرا شمار ان صاحبانِ فضل و کمال میں نہیں ہے جنھیں اس کام کا اختیار

دیا جاسکتا ہو، لہٰذا یہ کام میرے اختیار سے باہر ہے۔

تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر میں نے اس بحث کا آغاز کیوں کیا، اور اس طرح کا موضوع کیوں اٹھایا، اور مجھے یہ اندازہ کس طرح ہوگیا کہ صاحبانِ عصمت و فضیلت کے درمیان بھی تفاوت کمالات ہوسکتا ہے اور ان کمالات کے درمیان صدیقہ طاہرہؑ کے کمالات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ یہ میرے ذہن کی اُپج (ایجاد) نہیں ہے۔ اس کا سراغ آیاتِ قرآن اور احادیث مُرسل اعظمؐ میں موجود ہے اور اسی نکتہ نے اس حساس موضوع کو چھیڑنے کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

رب العالمین نے قرآن مجید میں صاف لفظوں میں اعلان کر دیا ہے کہ ہم نے مُرسلینؑ کے درمیان بھی فضیلت و کمالات کے درجات رکھے ہیں اور ان میں بھی تفاوت مراتب قرار دیا ہے۔ اور سرکار دوعالمؐ نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے سردارانِ جوانانِ جنّت ہونے کا اعلان کرنے کے بعد بھی فرمایا ہے کہ ان کے پدر بزرگوار ان سے بھی افضل ہیں، جو اس بات کی علامت ہے کہ مُرسلینؑ کی طرح ائمہ معصومینؑ کے درمیان بھی کسی نہ کسی اعتبار سے امتیاز ضرور پایا جاتا ہے۔ اور اسی بات نے اس امر کی حوصلہ افزائی کی ہے کہ تاریخ بشریت و عصمت میں صدیقہ طاہرہؑ کے خُصُوصیات و امتیازات کا پتا لگایا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ حضرت فاطمہ زہراءؑ کو ان خواتین کے مقابلہ میں کیا امتیازات حاصل ہیں، جنھیں امت اسلامیہ نے مبینہ طور پر صاحبِ کمال قرار دیا ہے اور ان خواتین کے مقابلہ میں کیا خُصُوصیات حاصل ہیں جو نگاہِ قرآن و سُنّت میں بھی صاحبانِ فضل و کمال ہیں اور جن کی فضیلت و شرافت کا اعلان آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہؐ نے کیا۔ اور پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ خواتین ہی کی طرح صدیقہ طاہرہؑ کو صنف رجال کے مقابلہ میں کیا امتیاز حاصل ہے، جس کی بنا پر سرکار دوعالمؐ نے فرما دیا ہے کہ "اگر علیؑ نہ ہوتے تو میری بیٹی فاطمہؑ کا کوئی ہمسر نہ ہوتا، چاہے وہ آدم ہوں یا غیر آدم"۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کا موضوع ایک مفصّل کتاب کا موضوع ہے۔ اس لیے میں صرف ارشادات اور علامات پر اکتفاء کروں گا اور تفصیلات کا معاملہ اربابِ دانش اور اہلِ علم کے حوالے کردوں گا، تاکہ وہ افرادِ ملت کو تفصیلات و تشریحات سے باخبر کرسکیں۔

صدیقہ طاہرہؑ کے امتیازات کی دو قسمیں ہیں:

① ذاتی امتیازات، اور ② اضافی امتیازات۔

اضافی امتیازات کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے کہ کائنات میں کوئی خاتون ایسی نہیں ہے جس کے تمام رشتے اس قدر بلند و برتر ہوں جس قدر بلند و برتر رشتے صدیقہ طاہرہ فاطمہ زہراءؑ کے ہیں کہ آپؑ کا باپ کائنات کے تمام انسانوں سے بالاتر، اور آپ کا شوہر امتِ اسلامیہ کے تمام نامور افراد سے بہترین انبیاء و مُرسلین سے افضل اور آپ کے فرزند جوانانِ جنّت کے سردار اور منصب امامت کے مالک ہیں۔

وطن کے اعتبار سے جائے پیدائش مدینہ منورہ اور بیت رسالت۔

خاندان کے اعتبار سے کائنات کا منتخب ترین گھرانہ بنی ہاشم۔

زبان کے اعتبار سے لغت قرآن میں گفتگو کرنے والی، جس کی خادمہ متکلمہ بالقرآن کا لقب حاصل کرے۔

اور اس طرح کے بے شمار خصوصیات ہیں جو دیگر افرادِ امت کے مقابلہ میں حاصل ہیں۔ لیکن یہ اضافی کمالات عام طور سے واقعی کمالات کا درجہ حاصل نہیں کر پاتے ہیں کہ ان میں انسان کے ذاتی کسب و اکتساب سے زیادہ دخل پروردگار کے فضل و کرم کا ہوتا ہے اور اس کے بارے میں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ پروردگار نے اس شخص کو اس فضل و کرم کے قابل سمجھا ہے اور دیگر افراد کو نہیں سمجھا ہے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس شخص نے اپنی صلاحیت و استعداد سے یہ امتیاز حاصل کیا ہے، یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ اضافی کمالات ہمیشہ دوسے انسان کے ہوتے ہیں جن کی نسبت دوسرے انسان کی طرف دے دی جاتی ہے اور ذاتی کمالات خود اپنے ہوتے ہیں، چاہے زور بازو سے حاصل کیے جائیں یا وہ بھی کرم پروردگار کا نتیجہ ہوں۔ لیکن بہر حال ان کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہوتا ہے۔

صدیقہ طاہرہؑ کے ذاتی کمالات و امتیازات کی چند قسمیں ہیں:

ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق جسم عنصری سے ہے، اور ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق روحانیات اور معنویات سے ہے۔ اور پھر روحانیات و معنویات کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک کا تعلق علمی پہلو سے ہے، اور ایک کا تعلق عملی پہلو سے ہے۔ ذیل میں ان تمام کمالات اور امتیازات کا ہلکا سا نقشہ پیش کیا جا رہا ہے۔

جسمانی امتیازات

بتول: علماء شیعہ و سُنّت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مالک کائنات نے جناب فاطمہؑ کو بتول قرار دیا ہے اور ان تمام عوارض سے الگ رکھا ہے جن میں عام طور پر ہر عورت ہر مہینہ میں مُبتلا ہوا کرتی ہے۔

علماء اہلِ سُنّت میں صاحب ینابیع المودّت علامہ قندوزی، صاحب مناقب علامہ صالح کشفی، صاحب ارجح المطالب علامہ امرتسری، صاحب تاریخ بغداد حافظ ابوبکر شافعی، صاحب تاریخ کبیر ابن عساکر، صاحب ذخائر العقبیٰ علامہ طبری، اور حافظ سیوطی نے خصائص میں اس حقیقت کا تذکرہ کیا ہے جس کے بعد کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے اور نہ اس تشکیک کا کوئی اعتبار ہے کہ یہ ہر عورت کے عورت ہونے کا لازمہ ہے جو اس سے الگ نہیں ہوسکتا ہے۔ یا یہ کہ یہ خون زمانہ حمل میں بچہ کی غذا بن جاتا ہے، لہٰذا اس عادت سے پاک عورت نہ حاملہ ہوسکتی ہے اور نہ صاحب اولاد۔ اس لیے کہ ان دونوں باتوں کا جواب جناب مریم کی زندگی میں موجود ہے کہ ایک طرف مریم طاہرہ تھیں اور مادی عوارض سے پاک تھیں اور دوسری طرف قدرت نے عام قوانین فطرت سے ہٹ کر انھیں صاحب اولاد بنا دیا تھا جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ قانونِ طبیعت ایک حقیقی قانون ہے، لیکن اس کا پابند خالق طبیعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنے مقرر کردہ قوانین میں تبدیلی بھی پیدا کرسکتا ہے۔

علامہ مجلسیؒ نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے اس نکتہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ امیرالمومنینؑ کے حیاتِ فاطمہؑ میں عقد ثانی نہ کرنے کا ایک راز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رب العالمین نے صدیقہ طاہرہؑ کو تمام عوارض سے پاک رکھا تھا، لہٰذا دوسرے عقد کا کوئی داعی اور موجب نہیں تھا۔ علاوہ اس کے کہ کوئی عورت صدیقہ طاہرہؑ کی عظمت اور محبّت میں شریک و سہیم بھی نہیں ہوسکتی تھی۔

صدیقہ طاہرہؑ کو بتول قرار دینے کا ایک اہم سبب یہ بھی تھا کہ عورت ان ایام میں عبادات سے محروم ہوجاتی ہے اور اس کے اعمال میں ایک طرح کا نقص پیدا ہوجاتا ہے۔ رب العالمین نے یہ پسند نہیں کیا کہ صدیقہ طاہرہؑ کی عبادات میں کسی طرح کا نقص پیدا ہو، اور انھیں کسی زمانے میں بھی عبادات سے محروم رکھا جائے اور اس طرح یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ دنیا کی ہر خاتون نقص عبادات کا شکار ہوسکتی ہے لیکن صدیقہ طاہرہؑ اس اعتبار سے بھی کامل و اکمل ہیں اور ان کے کردار میں کسی نقص کی گنجائش نہیں ہے، بلکہ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عورت کو عام طور سے تین نقائص کا حامل بنایا گیا ہے۔

(۱) نقص ایمان (۲) نقص میراث (۳) نقص عقل

کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہوتی ہے، رب العالمین نے صدیقہ طاہرہؑ کو تینوں نقائص سے پاک رکھا ہے۔ بتول بنا کر نقص ایمان و عبادت سے پاک بنایا۔ تنہا وارث پیغمبر بنا کر نقص میراث بچایا، اور معصومہ بنا کر نقص شہادت سے پاک و پاکیزہ بنا دیا، اور یہ جامعیّت کمالات آپ کے علاوہ کسی اور خاتون کو حاصل نہیں ہوسکی۔

(۲) عذراء صدیقہ طاہرہؑ کو جسمانی امتیازات میں سے ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ پروردگار عالم نے انھیں دائمی طور پر عذراء قرار دیا تھا، اور ان کی یہ صفت جنّت کی ان حوروں سے متشابہ تھی جنھیں "اتراب ابکار" قرار دیا گیا تھا اور اسی اعتبار سے رسولِ اکرمؐ نے صدیقہ طاہرہؑ کو حوراء انسیہ کے لفظ سے یاد کیا ہے کہ فاطمہؑ ظاہری اعتبار سے انسان ہیں لیکن باطنی اعتبار سے حورانِ جنّت کی صفت کی حامل ہیں۔

معنوی کمالات

(۱) ان کمالات میں سب سے واضح کمال آپ کا محدثہ ہونا ہے کہ آپ ملائکہ سے ہم کلام ہوتی تھیں اور ملائکہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کلام کیا کرتے تھے۔ امر ونہی اور آیات قرآن کی وحی رسولِ اکرمؐ پر تمام ہوگئی تھی لیکن دیگر معاملات کی وحی اور اس کے الہام کا سلسلہ برابر جاری تھا، جس طرح کہ قرآن مجید نے مادر جناب موسٰی اور جناب مریمؑ کو منزل وحی قرار دیا ہے اور ان کے ملائکہ سے ہم کلام ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔

صدیقہ طاہرہؑ کے اس محدثہ ہونے کا امتیاز یہ ہے کہ آپ نے ان تمام الہامات کو اس طرح جمع کرلیا کہ ایک صحیفہ تیار ہوگیا، جسے مصحف فاطمہؑ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس کے بارے میں امام صادقؑ نے فرمایا ہے کہ یہ صحیفہ حجم اور ضخامت کے اعتبار سے اس قرآن کا تین گنا ہے

لیکن اس میں قرآن کے مطالب و معارف کی تکرار نہیں ہے بلکہ ان تمام معاملات کا تذکرہ ہے جن کی ضرورت عالم انسانیت کو ہو سکتی ہے اور ان تمام حادثات اور حکومتوں کا تذکرہ ہے جو قیامت تک قائم ہونے والی ہیں۔

اس مقام پر یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ کوئی دوسرا قرآن ہے جس پر کسی قوم یا مذہب نے اعتقاد کیا ہے۔ قرآن ایک ہی قرآن ہے، جس کا شریک و سہیم اہلِ بیت اطہارؑ کو قرار دیا گیا ہے۔ یہ ایک صحیفہ ہے جسے لغوی اعتبار سے مصحف کہا گیا ہے کہ مصحف لغوی اعتبار سے مجموعہ رسائل و کلمات کا نام ہے۔ قرآن مجید کو اصطلاحاً مصحف کہا جاتا ہے، ورنہ یہ لفظ بالکل عام ہے جس کا اطلاق ہر صحیفہ اور کتاب پر ہو سکتا ہے۔ وحی کا اطلاق بھی قرآن مجید نے مُختلف مقامات پر الہام اور القاء پر کیا ہے اور اس کا کوئی اختصاص آیاتِ قرآن یا احکامِ شریعت سے نہیں ہے۔ اس کا استعمال شہد کی مکھی کے بارے میں بھی ہوا ہے، بشر تو پھر بشر ہے اور پھر اگر بشر بھی خیر البشر ہو، اور اس کا مرتبہ تمام عالم بشریت سے بالاتر ہو۔

(۲) طہارت: مالک کائنات نے صدیقہ طاہرہؑ کو تطہیر کا مرکز قرار دیا ہے اور آیت تطہیر کے نزول کے لیے ان کے گھر اور ان کی چادر کا انتخاب کیا ہے جس کا اعتراف بے شمار محدثین اور مُفسّرین نے کیا ہے اور حدیث کساء میں اس واقعہ کی مفصّل تشریح موجود ہے۔

(۳) صداقت: میدانِ مباہلہ میں رسولِ اکرمؐ اسلام کے عقائد کے حقانیت، قرآن کی عظمت اور اپنی صداقت کے گواہ لے کر نکلے تو خواتین میں صدیقہ طاہرہؑ کے علاوہ کوئی نہ تھا، جو اس بات کی علامت ہے کہ مردوں میں چار مرد بیک وقت ایک جیسی صداقت کے حامل ہو سکتے ہیں۔ لیکن صنف خواتین میں صدیقہ طاہرہؑ کے علاوہ کوئی ایسا نہیں ہے جسے رسالت کا گواہ بنا کر پیش کیا جا سکے۔ اور یہ اس امر کی بھی دلیل ہے کہ صدیقہ طاہرہؑ تن تنہا بھی رسالت کی گواہی کے لیے کافی ہیں، تو ان سے کسی معاملہ میں گواہی طلب کرنا قرآن مجید سے تغافل یا مقابلہ کے مترادف ہے۔

(۴) شجاعت: شجاعت کی دو قسمیں ہیں:

ایک شجاعت کا اظہار قوت قلب و جگر سے ہوتا ہے جو عام طور پر خطرات کی منزل اور میدانوں میں سامنے آتی ہے اور ایک شجاعت کا اظہار زورِ زبان سے ہوتا ہے جہاں سلطان جابر کے سامنے کلمہ حق کا اعلان کیا جاتا ہے۔

مالک کائنات نے صدیقہ طاہرہ کو دونوں طرح کی شجاعت سے نوازا تھا۔ قوت قلب و جگر کے اعتبار سے وہ منظر بھی قابلِ توجہ ہے جب رسولِ اکرمؐ کو سارا گھر کفار و مشرکین کے نرغہ میں گھرا ہوا تھا، اور آپ ہجرت کر کے مدینہ کی طرف تشریف لے گئے تھے۔

خانہ رسالت میں اگر ایک طرف شیر خدا علی مرتضیٰؑ بستر رسالت پر محو استراحت تھے تو دوسری طرف صدیقہ طاہرہؑ نہایت کمسنی کے عالم میں اس محاصرہ کا مقابلہ کر رہی تھیں اور آپ پر کسی طرح کا خوف و ہراس نہیں تھا، جبکہ انھیں کفار کے خوف سے بڑے بڑے بہادر افراد حزن و خوف میں مُبتلا ہو گئے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔

بقیہ قیام حضرت امام حسینؑ میں اہلِ کوفہ کے خطوط کا کردار

اور جب ابن زیاد کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت امام حسینؑ کوفہ کے قریب پہنچ چکے ہیں تو کربلا میں کوفہ سے پے در پے فوج کے گروہ روانہ کیے۔ شام سے بھی یزید کی جانب سے فوج روانہ کی گئی۔ اس کے علاوہ کوفہ سے روانہ ہونے والی فوج کے سربراہوں میں عمر بن سعد، حصین بن نمیم، شبث بن ربعی، حجاز بن ابجر، شمر بن ذی الجوشن، قیس بن اشعث، محمد بن اشعث، یزید بن حارث، عمرو بن حریث، عمرو بن حجاج اور عزرۃ بن قیس احمسی جیسے یزید کے حمایتی شامل ہیں کہ جنھوں نے حضرت امام حسینؑ کو ان کے خاندان اور ساتھیوں سمیت شہید کر دیا۔

بقیہ فرقہ واریّت کا پھیلاؤ اور سدّ باب، کیوں اور کیسے؟

کو اس زہر کے اثرات سے پاک کرنے کے لیے ہم میں سے ہر ایک اہم کردار کر سکتا ہے۔ وہ کردار یہ ہے کہ کم از کم ہم کسی فرقہ وارانہ سرگرمی کا حصّہ نہ بنیں۔ اس کے علاوہ جن کے پاس فکر، صلاحیت، ہمت اور موقع ہو تو وہ مزید آگے بڑھ کر اس سماجی مرض میں مُبتلا لوگوں کو اس سے نجات دینے کی کوشش کریں۔

(بشکریہ ماہنامہ "پیام" اسلام آباد بابت ماہ فروری ۲۰۱۶ء)

بقیہ اسراف اور فضول خرچی کی مذمت اور ان کا باہمی فرق

مخفی نہ رہے کہ جہیز کے متعلق ہم نے ان سطور میں جو کچھ لکھا ہے کہ جہیز مختصر اور سادہ دینا چاہیے، جس طرح کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شہزادی کونینؑ کو دیا تھا۔ یہ سطحی اور روایتی اندازِ فکر کا نتیجہ تھا۔ لیکن اگر بہ نظر غائر اس مسئلہ کا جائزہ لیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ جہیز کا سرے سے اسلام میں کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد شادیاں کیں، مگر تاریخ میں کسی ام المومنین کا جہیز لانا نہیں ملتا۔ اور نہ ہی جناب رسولِ خداؐ و ائمہ ہدیٰ کا اپنی شہزادیوں کو جہیز دینا ثابت ہے، اور نہ ہی صحابہ کرام میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے۔ لے دے کے جناب رسولِ خدا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی خاتونِ جنّت بیٹی کو مذکورہ بالا مختصر سا سامان دینا ملتا ہے، جس سے اس کے مشروع ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر اس کی حقیقت پر تھوڑا سا غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی طرف سے کچھ نہیں دیا تھا، اور یہ جو کچھ دیا تھا، یہ مخدومہ کائناتؑ کے حق مہر (مبلغ پانچ سو درہم، جو جناب امیر علیہ السلام نے اپنی زرہ فروخت کر کے پیشگی ادا کر دیا تھا) کی رقم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحیثیت علیؑ و بتولؑ کے ولی اور سرپرست ہونے کے بی بی عالمؑ کو اپنا نیا گھر بسانے اور اس کی ضروریات کو پورا فرمانے کے لیے خرید کر بوقت رخصت دے دیا تھا، تو گویا رقم بھی بی بی عالم کی، اور سامان بھی بی بی عالم کا، جیسا کہ اس امر کی صراحت تمام متعلقہ روایات کے اندر موجود ہے۔ اللہ بس باقی ہوس۔

بقیہ عالم الغیب ہونے یا نہ ہونے کے متعلق صحیح شیعی عقیدہ

نسبت دیتا تھا کہ وہ ائمہ اہلِ بیتؑ کے عالم الغیب ہونے کے قائل ہیں، تو وہ اسے ظالم، ستم کار اور مذہب حق کا دشمن قرار دیتے تھے۔

اور آج نہ صرف عوام بلکہ نام نہاد خواص کی یہ حالت ہے کہ جو ان کے علم غیب کی نفی کرتا ہے وہ اسے مقصر کہتے ہیں۔ اور جو ان کو عالم الغیب جانتا ہے، اس کو عارف المعارف قرار دیتے ہیں۔ ع

انقلابات ہیں زمانے کے

پس معلوم ہوا کہ خدا کا علم عین ذات اور غیر محدود و غیر متناہی مخلوق، خالق کے غیر محدود علم کا احاطہ نہیں کر سکتی مگر جتنی مقدار وہ خود چاہے۔ چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ (بقرہ)

اور یہ علم قابلِ اضافہ و ازدیاد ہے۔ جس میں خدا تعالیٰ برابر اضافہ کرتا رہتا ہے۔

قُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا

ایسا نہیں ہے کہ خدا نے ایک ہی بار سب کچھ دیدیا ہے اور اس کے بعد ادھر کا ظرف خالی ہوگیا، اور ادھر کا دامن پُر۔ (العیاذ باللہ)

اس بیان سے کلی و جزی کا فیصلہ بھی ہوجاتا ہے۔ اس موضوع کے باقی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے ہماری کتاب "اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ" کی طرف رجوع کیا جائے۔

☆

بقیہ منافقینؒ کی دوغلی رَوِش و رفتار کا تذکرہ

بقول کسے:

تیری وہ مثل ہے اے رب رضی
نہ الی الذی نہ الا الذی

خدا سب کو ایسے انجام بد سے بچائے اور قول فعل کی ہم آہنگی عطا فرمائے۔

☆

Registered No. (G) H.C/722